

Checked
1987

CHECKED

RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED

معلومات پیشانی

حصہ اول

بینی

خیالات نادرہ اور نثر فاخرہ حضور نواب علی نقاب سر القز و لال صاحب
بہادر کی سی بی سی آئی ای لکھتے گورنر مالک بنی شمالی جیت شہر
جیکو

مصنف موصوف سے اجازت لیکر

کنور جو الابر شاد صاحب آبی کے پڑی کلکٹر الہ آباد ضلع رامپور
بیکشن داس صاحب بہادر سی آئی ای کے
واسطے فائدہ جموں نام کے سنی مالک کام صرف کر کے الہ آباد بن

میر محمد علی

CHECKED 1995

سب فرمائش شہر جم موصوف

انتہام سے حاجی محمد کبیر الحق مالک دہتم مطبع کے

مطبع جلالی الہ آباد سن مطبوع عربی

۱۳۸۶ھ



مترجم کے مرزئی و سرپرست جناب مسٹر جی الیس
مکنتاش صاحب بہادر سی ایس سکرٹری
آف بورڈ آف ریونیو ممالک مرزئی و شمالی
نے اجازت دی ہے کہ یہ کتاب صاحب محمود
کے نام نامی سے مخصوص و معز کی جاوے +

التماس

گو کہ رسم دیباچہ لکھنے کی رفتہ رفتہ معروک ہوتی جاتی ہے مگر جبکہ
 ناظرین باتحکیم کی خدمت میں یہ التماس کرنا ضرور ہے کہ جب میں نے
 حضور لقمہ گور صاحب بہادر کی اس تصنیف لطیف کا ترجمہ کرنا
 شروع کیا تھا اسوقت میں اپنے کام کی دشواری سے چند ان وقت
 نہتا جس قدر ترجمہ کرنے میں قدم آگے بڑھا اوس قدر مشکلات پیش آئیں۔
 اول تو حضور پر نور کی اعلیٰ درجہ کی انشا پر لازی دوسرے اپنی ہندوستانی زبان
 کی کم مائیگی تیسرے کارسہ کار سے کم فرصتی۔ یہ چند وجوہات ایسی حامل ہوتی
 گئیں کہ بعض اسکے کہ کل کتاب کا ترجمہ ایک بار کی پیشکش کروں صرف
 ایک حصہ پر اکتفا کرنا پڑا اور باقی تین حصے آئندہ کے لئے چھوڑے۔
 کوشش ہو گئی ہے کہ جہاں تک لفظی ترجمہ سے ممکن ہو نفس مطلب
 عالی وقار کا بخانہ پائے۔ اسلئے ناظرین کی خدمت میں عرض رسان
 کہ اگر ترجمہ میں کہیں بندش الفاظ اور طرز عبارت میں خطا و کمین تو اسکو
 معاف فرماوین۔

جوالا پڑشاد

اغلاط نامہ معلومات ایشانی (۱) اسلام

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۱	۲	رعایا	۳	۱۱	روز
۵	۱۲	ہوئی قصہ	۳۱	۱۱	صدنہ
۳۲	۶	ہتیاروں	۳۲	۱۲	یک
		اونیں کے ہتیاروں			ایک

(۲) ہماری مذہبی حکمت علی ہندوستانی

۲	۱۲	مین	۵	۱۱	حکمرانی ممالک	حکمرانی ممالک
۶	۷	منصفانہ غیر	۷	۱۲	ولایت مذہبی تہ	ولایت مذہبی تہ
۸	۱۱	تائید کے	۱۴	۵	جبر	جبر
۳۳	۱	سیب تک ممبر	۳۲	۲	پادریوں	بہی کے پادریوں
۳۴	۱۱	خرچہ	۳۸	۱۳	مالگزارہی	مالگزارہی
۴۶	۴	سالمیری	۴۸	۸	بلاشبہ	بلاشبہ

یہ مصنف علی شہر ہندوستانی
اینگلو انڈین افسر کو کہا حقہ ابن
مستر ہندوستان سے

اسم

(بہرہ مضمون کے علمبردارین سالہ تہیاء تکمیل دیویدین
شائع ہوا)

ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب موسومہ اور انڈین مسلمانس (ہندوستان
میں ہماری مسلمان رجحایہ کو اون تمام لوگوں نے نہایت شوق
بلکہ فکر کے ساتھ پڑھا جو دنیوی اور دینی اور پولیٹیکل معاملات کو اہم
اہم اور عظیم سمجھتے ہیں۔ اس مصنف نے ہندوستان کے حالات پر
جو کچھ تحریریں کی ہیں ان کی وجہ سے وہ انگلستان میں بہت مشہور
ہو گیا ہے۔ فی الحقیقت اب بہت برس گزر چکے ہیں کہ جب سے
یہ مصنف علمی شہرت کے اوس درجہ کو پہنچ گیا ہے جو شاید کسی اور
اینگلو انڈین افسر کو کا حقہ اب تک حاصل نہیں ہوا۔ جو کوئی کتاب
مسٹر ہنٹر ہندوستان سے انگلستان میں اشاعت کے لیے

پہنچتے ہیں اور سکوحوام الناس کثرت سے پڑھتے ہیں اور عورتیں
 مبصر ماہر اور سپر غور سے لحاظ کرتے ہیں۔ آج تک جن لوگوں نے
 ہندوستان کے معاملات میں خاص ذاتی واقفیت حاصل
 کی ہے اور ان میں اوس طرز و طریقہ کی انشا پردازی کا وصف
 شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے جسکی آج کل اور عام پسند تصنیفات
 میں بھی ضرورت سمجھی جاتی ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں اور ان
 چند مصنفوں میں سے جنہوں نے تجربہ سے ہندوستان کے
 انتظام سے بخوبی واقفیت حاصل کی ہے ہندوستان کے
 معاملات پر حوام الناس کی فوراً توجہ مبذول کرنے میں ڈاکٹر ہنٹر
 کے مثل کوئی اچھی طرح کامیاب نہیں ہوا۔ بلاشبہ مگالی ایک مشہور
 مستثنیٰ شخص ہے اس کے مشہور مضامین نے فی الواقع وہ عام
 راسخ پیدا کی جو آج تک قریب قریب علیٰ اہوم اور بڑی پوسٹل
 کارروائیوں کی نسبت قائم ہے جسے چند ثابت قدم و مستقل
 مزاج انگریزوں نے گزشتہ صدی کے آخر حصہ میں براعظم ہیشیا
 ہماری سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اسکو مستحکم کیا۔ معمولی ناظرین
 کے دلوں پر وہ بڑی بڑی تواریخی تصاویر نہایت مضبوطی سے
 نقش کا کچھ ہو گئی ہیں جو دارن سیکلز اور کلاپو کی مہارت کی رکالی نے

بزرگ
 ہن
 ل
 ن
 ت
 دن
 کے
 کے
 ٹر
 مو
 م
 س
 ن
 ی
 ن
 غ

اپنے مضامین میں کھینچی ہیں یہاں تک کہ اگر اوسط درجہ کی لمبائی کا
 انگریز ان باتوں کی نسبت کچھ واقفیت رکھتا ہے تو وہ مکالمی
 کے بیان کو بے کم و کاست صحیح باور کرتا ہے اور اس کے سامنے
 یہ اعتراض کرنا محض بے سود ہوتا ہے کہ یہ آئین ہنگ میں غنی
 تصویر (کارلائل ان تصانیف کو اس نام سے موسوم کرتا ہے)
 کو نہایت پھرتی ہوئی اور عالی شان ہے لیکن ہر جگہ رتبہ تاریخ کو
 حاصل نہیں ہے۔ لیکن چست فقرہ اور رنگین جبارت کا اثر ایسا
 مضبوط اور دیر پا ہوتا ہے کہ بہت سی غلطیاں اور سبائف آئینا
 جسے مکالمی کی تحریات جنکو میں برس ہوئے مملوین مہتر و ملیویم
 ٹارنس نے اپنی کتاب موسومہ ایپا پران ایشیا (ایشیا سلطنت)
 میں ان کو از سر نو لکھے روز سے تحریر کیا ہے گو کہ یہ کتاب ۱۸۷۷ء
 میں شائع ہوئی ہے۔
 ڈاکٹر جہڑ نے اپنے رسالے کی غرض اور اپنی کتاب کی اہمیت کا
 سبب ایک ابتدائی صفحہ میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ سال
 سال سے ہندوستان کے مسلمان ہندوستان میں انگریزوں
 کی حکومت کے لیے مزمن خطرہ کے باعث چلے آئے ہیں اور
 اب تک ہیں۔ یہ خطرہ اس لیے چینی کی حالت کا نتیجہ ہے جسکی ڈاکٹر

یہ کتاب ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی ہے۔
 ڈاکٹر جہڑ نے اپنے رسالے کی غرض اور اپنی کتاب کی اہمیت کا
 سبب ایک ابتدائی صفحہ میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ سال
 سال سے ہندوستان کے مسلمان ہندوستان میں انگریزوں
 کی حکومت کے لیے مزمن خطرہ کے باعث چلے آئے ہیں اور
 اب تک ہیں۔ یہ خطرہ اس لیے چینی کی حالت کا نتیجہ ہے جسکی ڈاکٹر

بشر کے چل کر تین صورتیں بیان کرتے ہیں یعنی ہماری مثال غریبی
 سرحد پر باغیوں کی نواکادی کا قائم ہونا جنگی وجہ سے ہمیشہ ایک
 ایک آفت ہمارے پیچھے لگی رہتی ہے ہمارے اندرونی ضلالت میں
 مسلمانوں کی ساوش و اتفاق بغاوت کے لئے اور وہ مباشرہ
 اوس شرعی مسلمہ پر ہوئے ہیں جسکو ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی تصنیف کے
 نام رکھنے کے لئے منتخب کیا ہے یعنی کیا ہندوستان کے مسلمان
 ماکہ معظمہ سے بغاوت کرنا شرعاً فرض ہے۔ وہ آگے چل کر مسلمانوں
 کی اوٹ گائیوں کی نسبت بحث کرتے ہیں جو مسلمانوں کو عدم حکومت سرکار انگلیش
 میں ہیں اور ان شکایتوں کے رفع کرنے کی تدبیر کو بیان کرتے
 ہیں۔ محال کلام یہ کہ وہ ان تاریخی و پولیٹیکل و سوشل مخارج کی تحقیقات
 کرتے ہیں جہاں سے اوس ناراضی کا ظہور ہوا ہے جو ڈاکٹر ہنٹر کی
 رائے میں گہری اور جڑ پکڑے ہوئے اور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور
 جس سے ہماری گورنمنٹ کو ہر خطہ خطرہ کا احتمال ہے۔ اس عنوان
 کے موافق اس کتاب کی ابتدائی بابوں میں مصنف نے مختصر اور
 دلچسپ طور پر یہ بیان کیا ہے کہ عرب میں فرقہ واریہ کی بنیاد کیونکر
 پڑی اور اوپر کیا کیا حالتیں گذرین اور کیونکر ایک مشہور زائد و شہید
 نے اوس فرقہ کو شمال غربی سرحد پر قائم کیا کیونکر جہادی مولویوں نے

مسائل و ہابیہ کو تمام ہندوستان میں نہایت سرعت سے اشاعت دی اور کیونکر متواتر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں اور اندرونی سازشوں اور بغاوت کا سرخ تمام و کمال مسائل و ہابیہ تک لگا۔ میں ان تمام واقعات کے بیان کرنے میں ڈاکٹر ہنٹر کی پیروی نہ کرونگا تاہم ان تمام واقعات کا جانا ان ناظرین کو ضرور ہے جو اس بات کے جاننے کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہندوستان میں مذہب و ہابیہ کہاں سے آیا اور وہاں کیسے کیا جاتا ہوئی لیکن اس بات کا ذکر ناچھپر فرض ہے کہ تاریخچی پر جو شبہ بیان (اور فی الحقیقت کم و بیش اس ساری کتاب کی) طرز تخریر و عبارت میں چند خصوصیتیں ہیں جنکو ان تمام ولایت سے باہر نہ نکلنے والے انگریزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے جو اس معاملہ کی نسبت صحیح اور سب واقعہ نتیجے مرتب کرنا چاہتے ہیں جبکہ ڈاکٹر ہنٹر نے نہایت صناعتی و عجیب طور پر بیان کیا ہے۔

سب کے زیادہ وصف ڈاکٹر ہنٹر میں یہ ہے کہ او کی تحریر پر زور و صاف
و جست ہوتی ہے اور کو خوشی تحریر اتنا درجہ کے کمال پہنچی ہوئی قصہ
در قصوں۔ اور قصوں کی پوری قد آدم تصاویر کہنچنے سے مشوق ہے۔
اور کو ایشیائی واقعات اور معاملات کے اظہار کرنے کے لیے یورپ کے
استعاروں اور محاوروں کے استعمال اور موثر استعمال کے ذریعہ

سے ہندوستان کی تاریخ کی دلچسپ تصویر کشی کے فن میں دستگاہ
 کامل حاصل ہے۔ اس لیے اس کے خیالات و کئیات اور تعلیم یافتہ
 انگریزوں کو نہایت روشن اور مطلب خیز معلوم ہوتے ہیں جو ان کی اقصیت کے
 ذریعے ایک غیاور من مضمون کی نسبت واقفیت حاصل کرنے کی ابتدائی
 کوشش کرتے ہیں مگر یہ غیر ممکن ہے کہ اصلی واقعات اور مختصر اہتمام
 تحقیقات کو با تفصیل ترجموں اور تاویلوں سے ضرر نہ پہنچے گو انہیں کتنی ہی
 صناعتی خیمہ زدگی ہو کیونکہ ہندوستان کی اشکال کو یورپ کی پوشاک
 بغیر اسکے نہیں پہنائی جاسکتی کہ اس کے رنگ و روپ میں کچھ فرق نہ آجائے
 پس وہ استعارات و توارخی تمثیلات جن کا کثرت سے استعمال کرنا ڈاکٹر
 ہنٹر کو پسند ہے اگر چہ انہیں تو موثر و ضرور بین الیشیامین جہان کہ وہ
 ان کو استعمال کرتے ہیں اس کے وہی مضمون نہیں ہیں جو یورپ میں ہیں جہاں
 کہ انہوں نے ان کو مستعار لیا ہے اس نے کسی قدر حق ظاہر ہوتا ہے
 گو بے کم و کاست سچ نہیں۔ اور ماہر اس کے اس صحت کو مبالغہ کا
 جن بسا اوقات نہایت پریشان کرتا ہے اور بہتر ہوتا اگر اس جن کو وہ
 اوتار دیتے۔ ان تنبیہوں کے ساتھ اس کتاب کے پڑھنے کی ہم اولیٰ تمام
 اشخاص سے سفارش کرتے ہیں جو ان پیچیدہ اور متناقض حالتوں میں
 سے جو ہندوستان میں انگریزوں کے نشاط عجیب و غریب و لٹیکل واقعہ

ستگاہ
 بست
 خصیت کے
 لی ابتدائی
 مقام
 لکھی ہی
 پشاک
 نہ آجائے
 یاد اکثر
 ن کہ وہ
 مین ہما
 ہوتا ہے
 سبالغہ کا
 بن کو وہ
 ہم اولیٰ
 دن مین
 بل و تہ

سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں بعض امور کی نسبت انگلستان میں شہادت
 جمع کرنی اور اسے قائم کرنی چاہتے ہیں۔
 کرنل نیسولیس کا رسالہ طبع ثانی ہے۔ ان میں تین چھپوں کا جو ڈاکٹر
 کی کتاب کی وجہ سے ۱۷۹۰ء میں ولایت کے مشہور اخبار ٹائمز میں طبع
 ہوئی تھیں اور نیز تعلیم پر چار آرٹیکلوں کا جو ہندوستان کے اخبارات
 میں ابتدا و شائع ہوئی تھیں۔ کرنل صاحب نے ان کے ساتھ بطور تحریک
 اوس منٹ کو بھی چھاپا ہے جو مکالمی بنے جبکہ وہ ہندوستان میں جتا
 ۱۸۳۵ء میں اس باب میں لکھا تھا کہ ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کی سرکاری
 تعلیم کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ کرنل موصوف گلگتہ کے مدرسہ اسلامیہ
 کے پرنسپل تھے اسلئے بورنگھال کے مسلمانوں کے حالات و خیالات کی
 نسبت ان کی رائے کا حقہ توجہ کے ساتھ سننے کے قابل ہے اور ان کی بحث
 جسکی نسبت ہم آئندہ تفصیل بحث کریں گے باتحصیل اس بات کے ظاہر
 کرنے کی طرح راج ہے کہ کیا غلطیاں ہندوستان میں ہماری تعلیمی پالیسی
 میں واقع ہوئیں اور کیا مغالطے مکالمی کی منٹ میں پائے جاتے
 ہیں جس منٹ کا اور وقت بہت بڑا اثر ہوا تھا۔ اونہوں نے اس بات
 کے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کیونکہ موجودہ طرز تعلیم سے یہ نتیجہ پیدا
 ہوا کہ ہمارے مسلمان فیکورایا کی سوشل و پالیٹیکل رتبہ کو زوال پہنچا چکے

۲
 ۳
 ۴
 ۵
 ۶
 ۷
 ۸
 ۹
 ۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

اس مضمون کی غرض و غایت اس معاملہ کا کچھ ذکر کرنا ہے جسکو ہندوستان
 میں محمد کو پیچن (سندہ مسلمانان) کہہ سکتے ہیں اور چونکہ ڈاکٹر ہنٹر
 اور کرل یس نے مسلمانوں کی جانب سے اس مقدمہ کو اس قدر
 مضبوطی سے بیان کیا ہے جس قدر کہ وہ انصافا کر سکتے تھے اسلئے آسان
 طریقہ یہ ہوگا کہ ان مستند مصنفوں کی کتابوں سے اون خاص شکایتوں کا
 ٹھیک ٹھیک بیان انتخاب کیا جاوے جو کہا جاتا ہے کہ ہندوستان
 کے مسلمانوں کو ہیں۔ ڈاکٹر ہنٹر کے تمام نکتہ چین مجھے اس امر میں یقین ہے
 ہیں کہ اونہوں نے واقعات بشتر صوبہ بنگال سے حاصل کیے اور ان
 واقعات سے جو نتیجہ مرتب کیے اونکا اطلاق تمام ہندوستان پر کیا۔
 منطقی انصاف کے لحاظ سے یہ طریقہ کسی قدر ناقص ہے۔ بہر حال بڑے
 گورنمنٹ پر جو ڈاکٹر ہنٹر نے بڑے الزامات لگائے ہیں وہ ذیل میں
 ہیں انکے فقرہوں کی ترتیب میں مکالمی کی طرز تحریر کی تقلید کی گئی ہے
 گو اس سے مضمون کی نسبت لازمی طور سے الزام عائد نہیں ہوتا وہ فرد
 الزامات یہ ہے "یہ محض بے سود ہے کہ ہم اس بات پر اپنے کان بند
 کر لیں کہ ہندوستان کے مسلمان جو جرم ہم پر لگاتے ہیں وہ ایسے ہی
 اہم و سخت ہیں جیسے کہ کبھی کسی گورنمنٹ پر لگائے گئے ہوں۔ وہ ہم پر
 الزام لگاتے ہیں کہ اونکے مذہب کے متقدموں کے لئے ہر ایک مغز راہ

روزگار کی ہنسنے بند کر دی۔ وہ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم نے ایسا طریقہ
 تعلیم جاری کیا جس میں اونکی کل جماعت کی جماعت کے لیے کچھ انتظام
 نہیں ہوا اور جسکی وجہ سے اونکی جماعت حالت اوبار و افلاس کو
 پہنچ گئی۔ وہ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اون قانونی جملہ داریوں
 کے موقوف کر دینے کے ہزاروں غلط قانون میں تباہی آگئی جو ان
 عقد نکاح کو شرعی منظوری بخشتے تھے۔ وہ ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں
 کہ ہم نے اونکے دینی فرائض ادا کرنے کے وسائل بند کر دینے کی
 وجہ سے اونکی روحوں کو خطرہ میں ڈالا۔ وہ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں
 کہ ہم نے اونکے مذہبی اوقات کا دیدہ و دبستہ تغلب کیا اور انکے
 تعلیمی سرمایوں کی نسبت ایک طرح کی خیانت خرمانہ کی۔ وہ کہتے
 ہیں کہ ہم نے اپنی فتح مندی کے وقت اوپر رحم کا کچھ اظہار کیا اور
 تازہ دو تہمدون کی طرح گستاخی کے ساتھ اپنے اگلے آقاؤں کو
 پیروں سے روند ڈالا۔ وہ ہم پر ہمدردی کی عدم موجودگی کا اور
 فراخ دلی کے نہ ہونے کا اور سفالانہ بد نظمی اور اون بڑی عالمانہ
 بیاد کا الزام لگاتے ہیں جو سو برس کی مدت میں ظہور میں آئی ہیں۔
 ان الزاموں کی نسبت میں آئندہ مفصل بحث کرونگا یہ کہ اس
 دعویٰ کا لب لباب ہے جسکو اونکے لائق اور کسی قدر پرچون دلیل

متن
 ہر
 س
 کا
 ان
 کے
 ہا
 و
 ی
 ل
 ج

نے پیش کیا ہے اور اس مقدمہ کی بحث نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ انہیں امور کو امور متعین طلب نہ قائم کریں۔ لیکن میں اول یہ کہا چاہتا ہوں کہ محکوم اس امر میں ہی کلام ہے کہ ان چست فقروں سے مسلمانوں کی عام جماعت کے جذبات اور بیانات کی اہلی کیفیت ہو گا ہر ہوتی ہے۔ میری رائے اس طرف مائل ہوتی ہے کہ ان فقروں کا زور اور وزن بیشتر مصنف کی طباعی و لسانی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور مصنف کا صاف یہ ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ طریقہ بیان میں مزید اعتدال کی وجہ سے وہ مقدمہ بار بجا۔ الفاظ مذکور زبان حال سے منور معلوم ہوتے ہیں ایک باشندہ پولینڈ کے ٹنٹھ میں جو روس کے زیر حکومت ہے، یا ایک یونانی کے ٹنٹھ میں جو پچاس برس پیشہ کی جاہلانہ سلطنت شخصی کے ماتحت تھا، یا ایک آئر لینڈ کے رہنے والے روٹن کیتولک کے ٹنٹھ میں جو گذشتہ صدی میں جاہلانہ تقریری قہر میں پابند تھا یا کسی مفقود قوم کے یا مظلوم رعایا کے ٹنٹھ میں جو بغض عدالت سے مستعانی گئی ہو اور پولٹیکل ظلم کی جگہ میں پیپی گئی ہو۔ اس سے زیادہ سخت فقرے استعمال نہیں کیے جاسکتے تھے اگر ہم عیسائی ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ دیساہی برتاؤ کے قہر یا مسلمانوں نے انور ملکوں میں عیسائیوں کے ساتھ بداوقات کیا

[illegible]

مجلد ۱۷
صفحہ ۱۷۶

معلومات (سیکمی) از اریل الفورڈ
۱۷۶۹

Checked
1987

اگر ہم مسلمانوں کو مذہبی اختلاف کی وجہ سے ایسا ہی مسئلہ دیکھیں
کہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو ستایا تھا یا اوسى حقارت اور
وحشیانہ پیرحمی کے ساتھ مسلمانوں سے پیش آئے جبکہ سیور
کے حیدر علی یا ٹیپو نے کافروں کے ساتھ ہوتا کیا۔ برخلاف اسکے
ہندوستان کے مسلمان (بابتناے رنیل قوموں کے) شترتی
معاملات میں نہایت عمدہ مرہین اور دنیا کے کاروبار اور ایشیائی
تاریخ سے خاصی واقفیت رکھتے ہیں اور کسی قدر سنبلا بعد اسلئے کہ
سے یہ بھی جانتے ہیں کہ دراصل خراب گورنٹین کیا چیز ہیں، وہ اون
سخت الفاظ کے معنی یہ نسبت ڈاکٹر ہنٹر کے اچھی طرح سمجھے ہیں جنکو
کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بلا تامل اونکی طرف سے منہ سے
نکالا ہے یہ ممکن نہیں کہ وہ ہماری اور نیز اپنے پہلے حالات اور
اپنی موجودہ حالت کی نسبت اس قدر غلط فہمی کریں کہ اپنے میں اس
طور سے ستم رسیدہ اور اپنی کل جماعت کی حالت ادبار و افلاس میں
ڈوبے ہوئے خیال کریں حکومتوں کی نسبت جو ایشیائی ممالک
نیک برقیہ زشت کا ہے اوسکے موافق وہ ہلکے خاص طور پر
ہیں اور وہ اہل حالت کا غیر صحیح اندازہ نہیں کرتے۔ وہ ہماری ہر
سے اب بھی کسی قدر کم رہوں، وہ ہماری سب کو برابر کرینا لے طرز

تیکہ نہیں
ناہوں
لماؤں
لوغا ہر
ن فقر و بکا
ہے۔ او
نزد احتیاط
سے موزوں
کے
پیشتر کی
ہے حال
فی خیر کا
ن عدوت
ہے
سانی
تے جیسا
وقایہ کیا

۱۹۱۳۵۴
۱۷۶۹

حکومت کی بعض باتوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور میں سے بہت سے
 ہزار برس کے مذہبی رقابت کی وجہ سے عیسائیوں کی طرف سے
 متعصب ہیں اور مشرق اور مغرب کی عادات اور اطوار کے بڑے
 فرق کی وجہ سے ہندوستان کے رہنے والے انگریزوں کی طرف
 سے بدظن ہیں لیکن بہت سے الزامات جو ڈاکٹر ہنٹر لگاتے ہیں
 اس قدر محض بیوجہ اور بیید الفہم ہیں کہ ان کی نسبت یہ خیال نہیں ہو سکتا
 کہ مسلمانوں کی جماعت کے عوام الناس جو غلط فہم ہوتے ہیں وہ
 بھی اونکا یقین کرتے ہوں اور الفاظ عدم موجودگی بھر دی عدم
 موجودگی فرخ دلی بسفلا نہ تغلب نہ مایہ اور بڑی عام بدی کی
 کارروایاں جو ایک صدی سے چلی آتی ہیں میری رائے میں
 صرف خیالات اور نظرات ہیں جنکو ایک مقرر انگریز اس غرض سے
 منہ سے نکالتا ہے کہ ایک انگریزی جلسہ کے سامعین پر اونکا نہایت
 قوی اثر ہو تاکہ اونکو وہ یہ یقین کرا سکے کہ ہندوستان کے باشندے
 فی الواقع اسی طور سے خیال کرتے اور کہتے ہیں۔

کرنل نیپولیس کی تحریر میں اس قدر گرجموشی نہیں ہے اور وہ اسکو
 کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی وکالت میں ڈاکٹر ہنٹر نے اس قدر
 گرجموشی ظاہر کی ہے کہ مدعی سب کو ادبیت کی نسل اور بھادتن

میں پر اشارہ
 میں نے انکو خط
 کیا گیا ہے
 عیسائیوں اور
 مسلمانوں اور
 واسطے ہند
 بیت المقدس
 کے ہوا کہیں

آتی ہے۔ لیکن کفر لیس نے بھی چند الزامات کی فرد پیش کی ہے
 چہر بڑبش گورنمنٹ ملزم ٹھہرتی ہے۔ منجملہ اس کے انہوں نے
 مسلمانوں کی تعلیم اور اوقاف کے باب میں ہماری کارروائی کو زیادہ
 لائق الزام سمجھا ہے۔ دونوں مصنف بیان کرتے ہیں کہ خاص
 شکایتوں کے علاوہ اور ان کے متعلق اور بھی دوسری وجوہ ناراضی اور
 بدخواہی کی ہیں جو وجوہ لایہدی تھیں اور ہندوستان کی تاریخ کے
 واقعات سے قدرتی طور پر پیدا ہوئیں۔ الا ظاہر ہوتا ہے کہ ان
 دونوں مصنفوں کا میلان طبیعت اور خواہش یہ ہے کہ ہر ایک قسم کی
 ناراضگی کو اول فاش غلطیوں اور سہوؤں سے منسوب کریں جن کی وجہ
 سے انگریزوں پر صاف الزام عائد ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر کا حکم
 امور لازمی کو امور اتفاقی سے مخلوط کرنے معلوم ہوتے ہیں۔
 اول علمائے متون کو جو ہمارے تعلقات مسلمانوں سے لازم و ملزوم
 ہیں اور اوتھے جدا نہیں ہو سکتے اول اسباب کی طرف منسوب
 کرتے ہیں جو مختص المقام اور عارضی ہیں۔ اور مسلمانوں کی بہم حسرتوں
 اور بے چینی کی شکایتوں کی تعبیر میں اول خیالات اور علمی تصورات کا
 استعمال کرتے ہیں جو ایک بالکل مختلف سواد میں اعلیٰ درجہ کی
 تعلیم پائے ہوئے یورپین کے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ خود

اور اونکی وجہ سے اونکی کتاب کے ناظرین بہت چیزوں کو غلط آگاہی
 کے ذریعے دیکھتے ہیں اور اپنے واقعات کے وزن کو دھوکے کی
 ترازو میں تولتے ہیں۔ اور جبکہ واقعات کے اندازہ میں اونکی آنکھیں
 اونکا ہاتھ زیادہ سچا رہتا ہے تو تناسب قائم رکھنے کے خیال سے وہ
 انگریزوں کے نقصوں اور غلطیوں کی نسبت مبالغہ کرتے ہیں اور انکو
 خوب رنگتے ہیں تاکہ اون حد سے بڑے ہوئے نتائج کے لیے کافی
 اسباب نظر آویں جنکو ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا طرز مباحثہ اون اسباب
 منسوب کرتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا نہ انکار کرنے کی
 ضرورت ہے کہ ابھی ہندوستان کے مسلمانوں کے بعض گروہوں
 میں ناراضگی باقی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اون باغی وہابیوں
 کی نو آبادی جو شمال مغربی سرحد کی اوس طرف وحشی پہاڑی قوموں
 قائم ہوئی ہے صاف صاف پنجاب میں انگریزی سلطنت کی ایسی ہی
 جانی دشمن ہوگی جس طرح کہ وہ سکھوں کی سلطنت کی تھی جو ہمارے
 پیشروان تھے۔ اور بہت عرصہ ہوا کہ مسٹر ڈبلیو بیگلر یونے اپنی کتاب
 میں تحریر کیا کہ تمام ایشیا میں وہابیوں کا مزاج غیر صلح جو اور نابل جہاد
 ہے جو ہر ایک ایسی سلطنت کو خواہ ترک خواہ انگلش ڈانوانوں
 کرنے کے واسطے ہر ایک خفیہ اور ظاہر ذریعہ کی تجسس میں رہتا ہے۔

اگر وہ سلطنت مستعصب اور اڑھا دھند مذہبی سے اعتماد کی کمی فراہم
ہوتی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ان وہابیوں نے ایک وقت بنگال
کے صوبہ میں خفیہ سنگین سازشیں کی تھیں اور غیر وہابی مسلمانوں کے
گروہ نے وہابیوں کی سازش پر چشم پوشی کی یا جان بوجہ کہ اور کچھ
نکلیا یہ قدرتی بات تھی کہ وہ اپنے مذہب کی فوقیت کو ترجیح دیں اور
شاہد بلوط کھانے کے لیے وہابیوں کو آگ میں ہاتھ ڈالنے سے
نروکین۔ یہ امر یقینی ہے کہ ابھی اس قدر عرصہ نہیں گزرا ہے کہ مسلمانوں
کے وہ دل کے زخم بھر گئے ہوں اور وہ عداوت سے ہو گیا ہو جو اس
حالت کے لازم و ملزوم ہیں جب کہ اعلیٰ درجہ سے متزلزل ہو اختیار
مسدود ہو جاویں اور ایک جبر پسند حکمران گروہ ایک مستقل قانون
کی نگاہ میں اور گروہوں کے برابر ہو جاوے۔ پراس قسم کے
ناگوار انقلابات جماعتوں اور افراد کی تاریخ میں ہمیشہ واقع ہوتے
ہیں یہ کیفیت آدن مقابلوں اور افسری کے لیے جھگڑوں سے جلد
نہیں ہو سکتی جو دنیا میں ہر قسم کی ترقی کے واسطے شرط اضوری
ہیں۔ اور مسلمانوں کی عالی دماغ جماعت بھی جو کبھی ملک گیری اور
فتح خمی سے بہرہ ور تھے اس بات کے ناقابل نہیں ہے کہ اس
انقلاب زمانہ کو بلا کسر نشان مان لے مگر امر بحث طلب یہ ہے کہ آیا

عہد حکمرانی کا ختم ہو جانا اور اسکی بجائے غیر سلطنت کا قائم ہونا
 ایسی تبدیلیاں ہیں کہ جسکے باعث سے ایک ایسی جماعت کو جو
 اشتراک مذہب کے رشتہ سے وابستہ ہیں اوسی قدر حد
 پہنچتا ہے جیسا کہ کسی ذات یا زمانہ حال کی کسی قوم کو اور آیا
 رشتہ ہم قومی جو ہندوستان کے مسلمانوں کو اصلاً معلوم نہیں
 ہے زیادہ تر نازک شے نہیں ہے یہ نسبت ہم مذہبی کے تاہم بلاشبہ
 ان تمام باتوں کے اجمال سے ہندوستان کے مسلمانوں کا
 ایک دعویٰ پیدا ہوتا ہے جسپر ہندوستانیوں کو جو انکی یعنی مسلمانوں کے
 بعد حکمران ہوئے ہیں احتیاط اور علم سے سزا دینا چاہیے۔ اگرچہ
 امر واقعی یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کو گنگا
 نے نہیں زوال پہنچایا کیونکہ قبل اسکے کہ ہم نے اپنی سلطنت کی عمارت
 کڑی کی ہو مسلمانوں کی سلطنت تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ ہم کو
 یہ ہی اقبال کرنا چاہیے کہ گذشتہ ساٹھ برسوں میں باوجود اپنی
 نیک نیتی اور اعلیٰ درجہ کی ایمانداری کے گورنمنٹ انگلشیہ ایسی
 اشرار اور پیچیدہ امراض کے ہوشیاری اور نرمی کے ساتھ علاج
 دینے میں کٹھن کا کامیاب ہوئی ہے۔ اگر وہ اسے صحیح سمجھے جو
 خود آئندہ ہماری نسبت قائم کی ہے تو ہم محکوم رعایا کے ساتھ

عہد حکمرانی کا ختم ہونا اور اسکی بجائے غیر سلطنت کا قائم ہونا

اپنے برتاؤ میں انہما رحمت اور ہمدردی کے لیے مشہور نہیں ہیں باہمی
 اختلاط کے لیے ہماری طبیعت دنیوی اغراض کی قوت پر زیادہ تر
 بھروسہ کرتی ہے۔ اور ہمارے ذہن میں کھبا ہوا ہے کہ جسمانی
 آزادی اور آسائش اولیٰ زخموں کا کافی مرہم ہوگی جو ہماری کلیمانی
 نے بالضرور اولیٰ لوگوں کے غرور اور تعصبات پر لگا ہے جس کے
 ہم پہ لپٹ چکے حکومت میں جانشین ہیں غرض کہ ہم آدمیوں کی اغراض
 زیادہ مد نظر رکھتے ہیں اور ان کے جذبات پر بہت کم لحاظ کرتے
 ہیں۔ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ہم مشرقی بیماری دل کے سبکد
 معالج نہیں ہیں لیکن یہ امر اس اقبال سے بالکل مختلف ہے کہ ہم
 خود اس بیماری کے پیدا کرنے والے ہیں یا یہ کہ اس بیماری کے
 کوئی ایسا خاص آثار یا عجیب شدت ہے جس کا باعث صرف ہماری
 لاپرواہی و غفلت اور ناواقفیت یا صاف عداوت خیال کیا دے
 ہم یہلاجت مان سکتے ہیں کہ ہماری ہندوستان کی فحش سلاؤ کو
 ناگوار گذری اور بعض صورتوں میں ان کی مخالفت سے سبکداریت
 فکر پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن بفضل ہم لاچار ہیں اور اسکو دفع نہیں کر
 جتنا ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس امر کی تحقیقات کیا دے کہ کیا
 یہ لاپرواہی کہ درتین گھٹائی جاسکتی ہیں آیا خاص خاص شکایتیں جو انکو

ین قرین انصاف اور واجب بین اگر ہنئے مسلمانوں کو اپنے افعال
 سے نا دستگی میں نقصان پہنچا یا ہے تو ہلکا و سکی اصلاح ضرور کرنا چاہیے
 لیکن اس سے زیادہ بے سود اور خلاف مصلحت کوئی بات نہیں ہے
 کہ ہم اوسکے ذہن میں اس خیال کو جا دین کہ ہم انگریزوں کی محبت کا
 ہونے کے اوس حالت کے بالخصوص ذمہ دار ہیں جہیں کہ ہندوستان
 کے مسلمان اپنے تئیں آپ پاتے ہیں یا اونکی اس غلطی کے استحکام
 کی اونکو جرات دلا دین کہ وہ اپنی ناکامی اور پشیمردگی اور مذہبی غم
 شکستہ کے قدرتی جذبات کو ایک مظلوم رعایا یا اختلاف مذہب کی
 وجہ سے ایک ستم رسیدہ گروہ کا واجبی غصہ خیال کرنے لگیں۔
 اوس حالت کی نسبت جو ہمارے روبرو ہندوستان میں ہے
 صاف رائے قائم کرنے کے لئے ہکو چند قدم چھپے جانا چاہیے۔
 بقول مسٹر ڈیویجی پاگلپور کے ملکی اور دینی معاملات مسلمانوں کے
 ایک ہی سکے کے دوزخ ہیں پس یہ بات ناممکن ہے کہ ہندوستان
 میں مسلمانوں کی حالت کے مذہبی پہلو پر ہم بحث کر سکیں بغیر اسکے کہ
 ہم اسکے ملکی پہلو پر اول نظر ڈالیں۔ ہندوستان میں انگریزوں
 کی سلطنت مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے بعد اس قدر جلد
 قائم ہوئی اور مسلمانوں کی وسیع سلطنت کی بربادی پر دولت انگلیشہ

کی عمارت ایسی وسیع تعمیر ہوئی کہ عجیب نہیں اگر عوام الناس مسلمانوں
 کی تمام مصیبتوں کو ہماری طرف منسوب کرتے ہوں مگر تمام تواریخ
 کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے وسط تک
 سلطنت مغلیہ ٹکڑے ٹکڑے اور تباہ ہو گئی تھی اور ایک صوبہ کے بعد
 دوسرا صوبہ ہمارے ماتھے آتا گیا کیونکہ اس وقت شاہی عمارتیں جل
 تک بوسیدہ ہو گئی تھیں اور اسکا ہر ایک عضو شل ہو گیا تھا اور
 ہم ہی ان میں مر رہے تھے کہ ہوں کو بھگا دینے کے اہل تھے جو اس
 سسکتی نفش کو نوچ کھسٹ رہے تھے۔ جب کہ ہم نے مر رہوں تو
 دہلی اور اگر ہمارے محال یا ہر کیا جو مسلمانوں کی سندھ بادشاہت
 کی غیر محفوظ دار الخلافت تھی جب کہ ہم نے شاہ مغلیہ کو ذلت اور گرفتار
 سے بچایا اس وقت ہم نے پنجاب کو (دو ہزار زمین جہان کہ مسلمان سب
 سے زیادہ زور آور اور قوی تھے) سکھوں کے قبضہ میں پایا ہر شخص
 جانتا ہے کہ اوس مہیب جنگ اور سلطنت کے منتشر کرنے میں ہمارا
 کتنا نقصان ہوا جس نے مسلمانوں کو بالکل مغلوب کر لیا تھا اور
 جس نے افغانوں کو بھی دریائے سندھ کے اوس پار سے محال دیا
 اور انکو اونگی سپاڑیوں میں بند کر دیا تھا۔ وکن میں گذشتہ صدی
 کے اخیر میں ہم نے نظام کو جو اس وقت اور نیز اب بھی مسلمانوں میں

خال
 ان کا کیا
 بن
 چکر
 تان
 حکام
 بی عمر
 بنی
 ہے
 ہے
 کے
 نان
 لکے
 ن
 بدل
 نشیہ

رئیس اعظم ہے اوس تباہی سے بچایا جو بالیقین قریب الوقوع تھی
 بنے اون چھوٹے چھوٹے روس اور صرف محفوظ ہی نہیں سکھایا بلکہ انکو
 از سر نو قائم کیا جنہوں نے نیابت کے درجہ سے خود مختاری حاصل
 کی تھی بعض روحاء کو ہم نے تخت سے اتار کر اونکی نیشن مقرر کر دی
 غرض کہ ہماری حکمت عملی ایک دیر پا اور پرخطر تنازعہ کے اتفاقات
 اور حادثات پر مبنی تھی جو احسانات ہم نے کیے حسب معمول لوگ مہر
 ہوا بھول گئے اور نقصانات ہمیشہ تازہ بنے ہیں۔ یہ بات تو سمجھ میں
 آسکتی ہے کہ غاصبون اور کٹ پتلیوں کی طرح ہر اسے نام حکمرانوں
 کی نیشن یا فتنہ اولاد کو اوہانکے ہم مذہب لوگ صحیح نسب خاندانوں
 کے ستم رسیدہ وارث گردانیں مگر کار کے ذوالفعال جو درجہ عدل
 سے خارج تھی اور جو سابق کی جنگ اور مل جل کے زمانہ میں بمقابلہ
 مال کے رحم سے خالی تھے اگر آج کل خلاف دیانت اور طمع بینی
 سمجھے جاویں تو کیا عجب ہے لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے کہ انگریزوں
 کے ساتھ پیچھے کر دینے پر آمادہ ہوں اور اپنی علمی ایماقت کو اون کو
 ظالم ٹھہرانے میں خراج کرین جنہوں نے انگلستان کے لئے ایک
 سلطنت عظیم اوسی قدر جفاکشی اور دلیری سے حاصل کی جس قدر انصاف
 اور تحمل سے اونہوں نے اس ملک میں امن اور انتظام قائم کیا اور ان

پر حضرت مرثیوں میں کچھ بے سرائین ہے اور اس کے وقت میں
 اون لوگوں کا ساتھ چھوڑنے کی طرف رجحان طبیعت معلوم ہوتا
 ہے جو جنگ وابتیری کے ایام میں بلاتامل و محبت ہمارے خوب
 کام آئے تھے۔ ہم سب لوگ جانتے ہیں کہ کس قسم کا ترکہ واکو دینے
 زیرو کی اولاد کے لیے چھوڑا جنکی شمشیر دن نے اوکے رقیبوں
 اور دشمنوں کو مار کر اوکے تخت کی راہ صاف کر دی تھی اور معلوم
 ہوتا ہے کہ بعض اوقات انگلستان ہی اسی قسم کے پاک کفار کی
 خواہش کرتا ہے۔ وہ لوگ جو مستقل مزاجی سے اس سلطنت کو قائم
 رکھتے ہیں جسکی بنیاد پڑے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا وہ لوگ جو
 اپنی اولاد کو اس ترکہ عظیم کو چھوڑ جانے کے عازم ہیں جو انکو
 بزرگوں سے امانت ملا ہے اونکو ان شکستوں اور دلی ہوسوں
 اور دھڑکوں کی چٹ سہنی چاہیے لیکن جیون جیون یہ عمارت
 مستحکم ہوتی جاوے گی تیون تیون پر اسے کپنہ کی آگ بجھتی جاوے گی
 مگر اسوقت جبکہ انگلستان اون لوگوں کی زبردستی اور بڑائی کا
 جنہوں نے ہندوستان کو انگلستان کے واسطے فتح کیا کفار
 دینے کو حد سے زیادہ آمادہ ہے اور جبکہ اہل اسلام نہ تو پرانی
 باتوں کو بالکل بھول گئے ہیں اور نہ ہی باوقن سے عمدہ طور پر

مانوس ہوئے ہیں جاے افسوس ہے کہ بہت سے اسباب سے
 جمع ہوئے ہیں جو ہندوستانی مسلمانوں کو ان کے پورے نیک نوال
 کی قدرتی منتاج کی باریاں زیادہ دلاتے ہیں۔ جب تک ہندوستان
 میں جنگ و جدال کا قدیم زمانہ رہا عام شکایتوں کا بہت کم چرچا
 مسلمان لوگ ہندوستان میں بلحاظ پیدائش اور پیشہ کے
 قسمت آزمائی کرنے آتے تھے۔ وہ یا ان کے آبا و اجداد یا شتنا
 نو مسلم ہندوؤں کے ہمیشہ مغربی ایشیا سے ہندوستان میں
 تلاش روزگار کی خواہش کی آتے تھے۔ وہ شاذ نادری تو آباد
 یا سوداگر ہوتے تھے وہ عموماً سپاہی بکر قسمت آزمائی تھے۔
 ہماری شمالی لڑائیوں میں مسلمانوں نے خوشی سے ہماری فوج
 میں نام لکھایا اور گورکھوں اور سکھوں اور مرہٹوں کے مقابلہ میں
 وہ ہمارے فتح مندوں کے ساتھ رہے اور ہمارے ساتھ
 کابل و قندھار فتح کرتے رہے جو مسلمانوں کے شہر ہیں اور آج تک
 وہ ہمارے لیے اون جنگی اقوام کے مقابلہ میں بہادری سے لڑتے
 ہیں جو ہندوستان اور افغانستان کی سرحدی متنازعہ ارضی
 میں رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ہنٹر نے مسلمانوں کی اس جہادی فطرت پر
 بہت زور دیا ہے جسکی اشتعالک سے ہم نے ۱۸۵۷ء میں اسلحہ

کی جنگ اول متعدد آزاد اقوام کے مقابلہ میں کی جو ہماری
 شمال مغربی سرحد کے اوس پار کی پہاڑیوں میں رہتی ہیں حساب
 موصوف اس مہم کے اسباب کا سراغ ہماری ہی رعایا
 کی بداندیشی تک لگاتے ہیں لیکن انکو یہ ذکر کرنا مناسب
 تھا کہ جب کہ اس چوٹی سی لیکن سخت لطیفی بین ہمارا ایک
 تاجر جاتا رہا اور ایک خوزیز جنگ کے بعد اس پر انگریزوں
 کی ہندوستانی فوج نے پھر قبضہ کیا تو ان دو افسروں
 میں سے ایک مسلمان تھا جو دشمن کی بندو بون کی گوسایوں کی
 بوجھار میں تلوار ہاتھ میں لیے اونچی پہاڑی پر ہارنے سے اوس
 حملہ آور گروہ کی کمان پر تھے جنہوں نے سرحد کے نہایت کچھ
 اور جہادی آدمیوں کا مقابلہ کیا اس طور پر میدان جنگ میں
 مسلمانوں نے ہمارے ساتھ خاص خیر خواہی ظاہر کی ہے اور
 انہوں نے ہماری ماتحتی میں اوس زمانہ تک بلا شکوہ و شکایت
 ملازمت کی جب تک کہ ہمارے دیسی طریقہ سول انتظام کا قائم رکھا
 اور ان ایام میں جبکہ گرائی میں پہلو تہی ہوتی تھی تعلیم کا پیمانہ
 ادنیٰ درجہ کا تھا اور عمال ہمیشہ سے زیادہ ذی اختیار تھے کیونکہ
 وہ اسی گورنمنٹ کے قائم مقام تھے جس کا مقابلہ محال تھا لیکن

۱۸۵۷ء کی پنجاب کی دوسری لڑائی کے بعد ہندوستان
 ہمارے قدموں تلے آگیا۔ بڑی بڑی فتوحات خاتمہ ہوئیں
 اور اُن کے بعد سکون فتنہ و فساد عالم اور دیرپائی امن کے گہرے
 گہنے شروع ہو گئے اور انگلستان میں ملکی اور فوجی نظم و نسق
 کی باگین ہاتھ میں لی گئیں اسلئے دیرانتظام انگلشیہ مملکت
 سی دولت قلم سے حامل نہیں ہو سکتی تھی اور اُس سے بھی کم
 تلوار سے اور سمنے رفتہ رفتہ ناگپور جھانسی اور آودہ کو اپنی
 سلطنت میں شامل کر لیا اس طرح اون درباروں اور لشکروں کا
 خاتمہ ہو گیا جہاں کہ خوش قسمت پکتان یا چالاک دربار رسوں
 کی بے ترتیب بلند چوکی کی تکمیل کا کچھ موقع باقی تھا بہت عرصہ
 ہوا جب کہ جنرل آر تھروسل نے اپنے مراسلات میں تحریر کیا
 کہ جس قدر ہمارا اختیار اور ہماری حکومت پھیلتی جاوے گی اسی قدر
 ہندوستان کی اون قوموں کی ناراضگی روز افزوں ہوگی
 جو قسمت آزمائی پر بسر اوقات کرتے ہیں اور نیز اون لوگوں
 کی جنگی روزی کا مدار غیر متدین دماغ یا باندہ پر ہے کیونکہ ہمارے
 شاہانہ حکومت ہندوستان کے امن کو قائم رکھتی ہے اور اس
 بات پر اصرار کرتی ہے کہ وہ اون ریاستوں میں جس سے ہمارے

ہندوستان کی دوسری لڑائی کے بعد ہندوستان
 ہمارے قدموں تلے آگیا۔ بڑی بڑی فتوحات خاتمہ ہوئیں
 اور اُن کے بعد سکون فتنہ و فساد عالم اور دیرپائی امن کے گہرے
 گہنے شروع ہو گئے اور انگلستان میں ملکی اور فوجی نظم و نسق
 کی باگین ہاتھ میں لی گئیں اسلئے دیرانتظام انگلشیہ مملکت
 سی دولت قلم سے حامل نہیں ہو سکتی تھی اور اُس سے بھی کم
 تلوار سے اور سمنے رفتہ رفتہ ناگپور جھانسی اور آودہ کو اپنی
 سلطنت میں شامل کر لیا اس طرح اون درباروں اور لشکروں کا
 خاتمہ ہو گیا جہاں کہ خوش قسمت پکتان یا چالاک دربار رسوں
 کی بے ترتیب بلند چوکی کی تکمیل کا کچھ موقع باقی تھا بہت عرصہ
 ہوا جب کہ جنرل آر تھروسل نے اپنے مراسلات میں تحریر کیا
 کہ جس قدر ہمارا اختیار اور ہماری حکومت پھیلتی جاوے گی اسی قدر
 ہندوستان کی اون قوموں کی ناراضگی روز افزوں ہوگی
 جو قسمت آزمائی پر بسر اوقات کرتے ہیں اور نیز اون لوگوں
 کی جنگی روزی کا مدار غیر متدین دماغ یا باندہ پر ہے کیونکہ ہمارے
 شاہانہ حکومت ہندوستان کے امن کو قائم رکھتی ہے اور اس
 بات پر اصرار کرتی ہے کہ وہ اون ریاستوں میں جس سے ہمارے

اتحاد ہے اور نیز اون حصوں میں جو ہمارے قبضہ اقتدار میں
 ہیں عام امن اور چین برقرار رہے۔ اور یہ تمام کارروائیوں کا
 تبدیلی کی جو نہایت قدیم طریقہ زندگی سے نئے طریقہ میں ہوئی
 مسلمانوں کو خصوصاً سخت و گران گذری کیونکہ مجتمع جو گون کی
 جنگ جو سرداروں سے لیکر شہنشاہ اور شاہ ابدالی کے
 اوس نہایت مفلس تک کیوں کہ جو وسط ایشیاء سے اوس کے
 جھنڈوں کے ساتھ آیا تھا ہندوستان ایک سونے کا ملک تھا
 جہاں پر کہ فساد و ہنگامہ کے زمانہ میں نہایت جلد دولت ہاتھ
 آجاتی تھی۔ یہ بیچینی کی کیفیت (اگر ڈاکٹر ہنٹر کا فقرہ استعمال کیا جائے)
 تمام ہندوستان پر چھاری تھی جبکہ ہمارے ہندو سپاہیوں
 بغاوت عظیم واقع ہوئی۔ دہلی لکھنؤ و دیگر مرکز ہمارے ناراضگی میں
 مسلمان و بابے بغاوت میں مبتلا ہو گئے اور فوراً اوس کے سرگرد
 بن بیٹھے اور سپاہیوں کے دشمنانہ اور بے مقصد غصہ کو اپنی
 اور صاف پولیٹکل اغراض کے لیے استعمال کرینگے۔ اسکا نتیجہ
 ہوا جیسا اولن سب لوگوں کو یاد ہوگا جو ۱۸۵۷ء میں شمالی
 ہندوستان میں موجود تھے کہ انگریزوں کا غصہ مسلمانوں پر
 جنگو اور انہوں نے واقعی اپنا دشمن اور نہایت خطرناک رقیب بن لیا

تان
 بہ کو
 لکے
 وبق
 بلیکٹ
 بھی کم
 وانی
 شکر و نکا
 رسون
 عرصہ
 ریکارڈ
 و سی قدر
 ن ہوگی
 و گون
 یونکہ ہر
 بے اور
 سے ہکو

اس لیے اس بغاوت کی ناکامیابی پر بہت ہندوؤں کے مسلمانوں
 کے لیے زیادہ تر مضر ہوئی۔ اور جو کچھ ہندوؤں پر پستی فوقیت
 رہا سہا اثر تھا وہ بھی باہر ہمارا اسی وقت اور نکلے یہی ہونی
 حکمرانوں کا اونپر اعتماد جاتا رہا اور اسی تاریخ سے ملکی اور فوجی
 خدمات کے اعلیٰ درجہ کے ماتحت عہدوں پر مسلمانوں کی تعداد
 میں کمی واقع ہوئی قبل غدر کے اون عہدہ ترین عہدوں پر بہت
 ہندوؤں کے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جن پر شمالی
 ہندوستان میں ہندوستانی لوگ مامور ہو سکتے تھے۔ اور
 زمانہ سے اونکی تعداد کم ہوتی گئی اور اگرچہ بحیثیت مجموعی وہ اپنے
 گروہ کے متعدد فرقوں کی شہادت کی بد اخالی کے ذمہ دار ہیں
 ہیں تاہم بعض صوبوں میں قدرتی طور سے اونکو اوس زمین کے
 چال کرنے میں بہت وقت پیش آئی ہے جو ان کے پیر کے تلے
 سے اوس وقت نکل گئی جب کہ اونہوں نے اخیر پیر کا نہایت اوس
 سلطنت کے سایہ کے چھر چال کر نیکے لیے کی جبکو وہ کو بیٹھے تھے۔
 تاریخ پر ایسی مختصر نظر اندازی ضرورتی کیونکہ مسلمانوں کی
 موجودہ مذہبی کیفیت اونکی پولیٹیکل اور سوشل پریجیوٹوں کا عکس ہے
 یہ سمجنا آسان ہے کہ کیونکہ ان مصیبتوں نے ایک ایسی جماعت

خاص فرقوں میں جہاد کو تحریک دی جو کہ نہ بوجہ قومیت کے
 بلکہ بوجہ مذہب کے ایک رشتہ سے وابستہ اور ایک احاطہ
 میں اور جنکے لئے گزشتہ صدی کے اخیر میں ہندوستان پر
 کرائی کا زوال اس کے مذہب پر ایک صریح آفت تھی کیونکہ اد
 بین کی یہ ہدایت ہے کہ اسلام کے نام سے بطلتین قائم یا
 ناپاک کریں جیسا کہ کرنل لیس فرماتے ہیں قرآن کے احکام
 کا تحول کے لئے موضوع ہوئے تھے اور اگر یہ ایسی آیتیں جھٹ
 ل سکتی ہیں جو دراندیشی اور تسل کی کارروائی کو جائز کرتے
 ہیں لیکن ایسی تاویلات اس کے پیغمبر کی رسالت کے
 کل اصول سے لایذنی طور پر متناقض ہیں اور اس طریقہ
 سے غیر موزون ہیں جو ان کے نبی نے موضوع
 کیا حال میں علماء اسلام نے شرع محمدی کے نازک نازک
 سکون میں بہت ساعلم اور منطق اس امر کی تحقیقات میں خرچ کیا
 ہے کہ آیا شرع کے موافق کفار کی حکمرانی کی اطاعت جائز ہے
 یا قطعی یہ حکم ہے کہ مخالفت کیجاوے گو یہ مخالفت خلاف مصلحت ہو
 اور اطاعت آسمان ہو۔ اور ڈاکٹر ہٹھرہ پتھر فرماتے ہیں (قریب
 قریب اس طور پر گویا اس کو واقعی صحیح باور کرنے میں) کہ ملک عرب

کے متبرک شہر (کہ شریف) کے تین سنی مولویوں کے سوچ بچار پر
 یہ امر کئی مہینے تک منحصر رہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر کیا
 کرنا یا نہ کرنا فرض ہے (صاحب موصوف اوس واقعہ کا ذکر کرتے
 ہیں کہ مکہ کے علماء سے یہ استفسار کیا گیا تھا کہ آیا مسلمان شریعہ کی
 اطاعت خاموشی سے تسلیم کر سکتے ہیں یا نہیں) اور ایک باب کا
 باب اور مختلف شرحوں کی بحث میں خرمج کیا ہے جو مختلف گروہ
 علماء نے کی ہیں اور جو اس امر متفقہ طلب سے متعلق ہیں ظاہر
 اور کو یہ رائے ظاہر کر کے ولایت میں تعلیم و تربیت پائے
 ہوئے انگریز ناظرین کے ڈرانے میں لطف آتا ہے کہ اونکی
 رائے میں اجتماع شہادت اس طرف ہے کہ جہاد اہل اسلام کا
 ایک ضروری مسئلہ ہے لیکن برخلاف اسکے سید احمد خان نے ان
 چٹھوں کے سلسلہ میں جو مشلہ میں ہندوستان میں طبع ہونے
 یہ بات ثابت کرنی چاہی کہ بلحاظ اوان واقعی تعلقات کے جوہر
 انگریزوں کے ساتھ ہندوستان میں ہیں مسلمانوں پر جہاد
 فرض نہیں ہے اور یہ کہ وہ نتائج جو ڈاکٹر ہنٹر نے قرآن اور
 تفسیر سے نکالے ہیں نہایت گہنچ کمانچ سے حاصل ہوئے ہیں
 بلکہ بالکل ناجائز ہیں سید صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس امر کے

مقام ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر کسی طرح بغاوت کرنا فرض نہیں ہے مسلمانوں نے اپنی اضطرابی یا فکر کی وجہ سے نہیں منگوائے تاکہ ان کے دل کی تشفی ہو اور اپنے فرائض کی نسبت ان کے شہادت رخص ہو جاوین بلکہ انگریزوں کے متواتر طغیان اور وہی خیالات کی وجہ سے جنہوں نے مسلمانوں پر اس بارہ میں اتنا زور ڈالا کہ مسلمانوں کو دنیا کی نگاہ میں اپنے آپ کو درجہ اور بے عیب ثابت کرنا پڑا۔ اور اس بیان کے قرین قیاس ہونے کی تائید کرنل لیس کی اوس چٹھی سے ہوتی ہے جو صاحب موصوف نے اخبار ٹائمز میں مشہر کی تھی اور جس میں کرنل صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں مقام قاہرہ میں شیخ الاسلام کے ساتھ نہایت سنجیدگی اور رستہ سے مباحثہ کیا۔ ہر ایک بحث کرنے والا اپنے مفید قول پر زور دیتا تھا۔ ایک قول یہ کہ مار و تم اور نگو جہان کہ پاد و تم اور نگو دوسرا قول یہ کہ ”نکو اپنی ہلاکت پر بے ڈھکر مستعد ہو جانا کسی طرح فرض نہیں ہے۔“ ظاہر ہے کہ ایک مثبت اور ایک منفی حکم کے مقابلہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہیں ایک رہنا پڑتا ہے اور منطقی بازاری چوری قائم اٹھتی ہے انکا کچھ اثر دنیا کے واقعی کاروبار پر نہیں ہوتا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

عنه

ایسی ہوش گویا نوک سنان ہے لیکن متین اور ہوشیار لوگ
 اس اختیار کے چلائے میں بہت ہوشیاری کرتے ہیں اور
 کوئی شخص ایک مسئلہ کی خاطر اپنی جان خطرہ میں نہیں ڈالت
 تاوقتیکہ کہ وہ قول او سکے خیالات اور تدابیر کے موافق نہیں ہوتا
 اور اس فعل کی جو کہ مناسب وقت اور قرین مصلحت ہو تا یہ نہیں
 کرتا تمام مباحثین اقرار کرتے ہیں کہ کوئی گروہ مسلمانوں کا
 صرف مولویوں کے فتویٰ کی خاطر سے بے سود بنا دیتا
 قدم نہ کیگا یعنی یہ ضرور نہیں ہے کہ جس طرح پر یوی کونسل کی
 تجویز کا اجرا پارلیمنٹ کے نائب کے خلاف ہوتا ہے اور
 طرح شیخ کے فتوے کا اجرا ایک زیر دست گورنمنٹ کے مقابل
 ہو۔ اہل توبہ ہے کہ اقوال اور اس کی ترکیب تحقیقات
 صرف اس واسطے کی ہو یہ ہے جو میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں یعنی
 یہ کہ بعض مصنفوں کا رجحان طبیعت اس طرف ہے کہ ہماری طرف
 بدگمانی اور ہنس مزہبی نفرت کے اور خیالات کو مختص الامور
 مختص القام اسباب سے منسوب کریں جو خیالات قدرتی طور
 سے دین اسلام کی عام ترکیب کے ساتھ (بمعاظ اور کی موجودہ
 ذہنی حالت اور ہندوستان میں اسکی واقعی حالت کے)

لوگ
 ن اور
 ستا
 ہیں ہوتا
 بدین
 ن کا
 تین
 کی
 یہ آوی
 بقابل
 مات
 ن یعنی
 طرت
 لامرور
 رتی طو
 جو وہ
 کے

لازم و ملزوم ہیں۔ ان باتوں کی حقیقت مقدس کتابوں
 مکہ کے فتاوے سے بہت کم تعلق ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے
 مسائل صاف طور پر چھیڑ چھاڑ میں پیشقدم اور مذہبی امور میں جان بڑا
 ہیں ان کی طرف سے ہکواندیشہ رہیگا جیتک کہ مذہبی خیالات اس
 درجہ کی غیر صلح جو اور خیر بردبار حالت میں رہینگے کہ وہ صاف
 طور پر تمام گرجوں میں مقیدین کے اس مسئلہ کی طرف فطری
 رجحان طبیعت کو ترقی دیتے ہیں کہ ان کا مقدم فرض یہ ہے کہ
 غالب رہیں اور اگر ضرورت ہووے تو تعدی ہی کریں آج کل
 کے اگر تیرہ دن کو خیالات کی یہ حالت عجیب بقاعدہ معلوم ہوگی
 مگر یہ صرف بیوقت کی شنائی ہے۔ وہ بیچینی کی کیفیت جو تمام
 ہندوستان میں آج کل پہلی ہے بجز اس صدمہ کے اور کچھ
 نہیں ہے جو کئی صدیوں تک سارے عیسائی یورپ میں جاری
 تھا اور جسکو اس زمانہ کے مسئلہ جواز مذاہب اور اس زمانہ
 کی مذہبی لاپرواہی نے انگلستان سے بھی ابھی تک باطل
 دور نہیں کیا۔ یہ وہی جذبہ ہے جسکے موافق عرصہ دراز تک
 یہ بات خدا کے خلاف گناہ خیال کیجاتی تھی کہ ایک بدعتی حکمران
 کے ساتھ صرف پوشیدہ دلی عناد رکھا جاوے کیونکہ قبول

کالوین کے "اگرچہ بادشاہ کی اطاعت خدا کی اطاعت کے مطابق ہے لیکن اگر کوئی بادشاہ خدا کے اختیارات پر غاصب ہو تو مکمل بادشاہوں کی اطاعت اسی درجہ تک فرض ہے کہ خدا ناراض ہو" اور چونکہ علم الہی کا جاننے والا خدا کے اختیارات کے تعین کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ فرض کر لیتا ہے کہ جس بات سے اس کے مذہب کے اغراض کو نقصان پہنچتا ہے اس سے خدا ناراض ہوتا ہے اور برخلاف اسکے اس کی خدمت کی غرض سے تمام افعال جائز تصور کیے جاتے ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ کوئی صرف دنیاوی گورنمنٹ جو صرف امور دنیاوی کے معمولی اختیارات اور انتظام قائم رکھے لوگوں کو ناراض کرنے سے بچ نہیں سکتی اس حالت میں جو گورنمنٹ ہوگی۔ (اور ہندوستان کی گورنمنٹ اس حالت میں ہے) گو وہ گورنمنٹ کچھ ہی کیوں نہ کرے اور کبھی ہمیشہ یہ دقت پیش آوے گی کہ اس کی نسبت عظیم غلط فہمیاں ہونگی ایک قسم کے عوام میں مطلع ہونگی (گو یہ طعنہ زنی اور دل دینداروں کی جانب سے جو معقول پسند اور سلامت رویہ اصل اور دلی ہوا اور زیادہ تر مصنوعی اور اظہار توافقی کی غرض سے ہو) اور اس کی نسبت خاست درجہ گر مجنون کی طرف سے شدید کلمی بغاوت ہوگی۔ اگرچہ

۴۰
پیرامیک
نظائر خدائے پروردگار
پیشانی کا کمال ہے
بدیہی بن کر
میں کو کمال
پارہ نما

ہندوستان میں مثل دہابیوں کے پورے اور گرمجوش مذہبی
 تعداد میں کم ہیں اور عام پسند نہیں لیکن وہ ایک بڑے
 کٹھاؤ کے نیچے وہی کچلچ کی مانند اس کثیر جماعت کے
 خیالات کو یکسر مٹاتے ہیں جو اپنے خیالات کو اس قدر درجہ
 تک اوبلنے نہیں دیتے ہیں کہ وہ خطرناک بھک سے اڑ جائیں
 حالت کو پہنچیں یا صرف مذہبی جوش کے باعث غیر حکم التعمیر اور
 لازمی واقعات کے خلاف بے سود امیدوں کی پیروی کرنے
 کی اپنے نین اجازت دیں۔ اگرچہ مسلمان پکدار تاویلوں کے
 ذریعے سے اون تبلیغ سے گریز کرنا چاہتے ہیں جو صریحاً ایک
 اور عملدار آمد میں خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ جذبہ
 شدید جبر جہاد کو روا رکھا ہے محض وحدانیت دانہ مذہب میں
 بالکل خفہ کہی نہیں رہ سکتا جس مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ سارے
 جہان میں مذہبی جبر کرنا اور سکا حق اور فرض ہے اور جو مذہب
 ایک غیر طرفدار گورنمنٹ کی وجہ سے صرف اور مذہبیوں کے
 مساوی درجہ پر پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ عام تجربہ کے خلاف ہوگا
 اگر وقتاً فوقتاً یہ جذبہ ویسی ہی مخالفت پیدا کرے جسکو مذہب
 اور سنجیدہ حکمت عملی کے خیالات نے یورپ میں قریب قریب

ہندو
 مذہب
 کا
 سکے
 غ
 صرف
 ت اور
 اس
 اس
 ہمیشہ
 قسم
 ان کی
 نہواور
 نسبت
 اگرچہ

خفتہ کر دیا ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ ہندوستان میں عیسائی
 اوس پُرانے جذبہ سے بالکل متبرکین جسکے موافق ایکے میزبان
 حکمران کے ضروری فرائض میں مذہبی جنگ بھی شامل تھی اور
 یہ کہ بہت زمانہ نہیں گزرا کہ ایسے برٹش افسر تھے جو اس بات
 سے زیادہ اوبر کوئی بات پسند کرتے تھے کہ وہ وہابیوں کے ساتھ
 ہتھیاروں اور اونہیں کے غارت درجہ کے اصولوں کے
 موافق زور آزمائی کریں اور مذہبی لات گونسوں سے فیصلہ
 کریں کہ کون سا مسلہ حق ہے۔ انصاف پسند مسلمانوں کو تسلیم
 کرنا چاہیے کہ عیسائیوں میں بھی روادار کہ اقربین مصلحت ہے
 اوس سچے تعصب کا اودن مسائل کے معتقدین کے ساتھ جوہر
 خیال کیے جاتے ہیں اور اوسی متدین اختلاف کا جو مسلمان مذہبی
 معاملات میں نہایت قابل عقول یقین کرتے ہیں لیکن یہ اندرونی
 یقین کہ فریقین میں باہمی حجت فرض ہے اور یہ اعتقاد کہ ایک
 مذہب پر دوسرے مذہب کا تباہ کر دینا فرض ہے بعض اوقات
 اوس فریق کے غصے کو تلخ کر دیتا ہے جو پولیٹیکل رتبہ میں زیر ہو جاتا
 ہے اس یقین سے یہ شبہ پیدا اور قومی ہو جاتا ہے کہ زیادہ
 طاقت ورنہ مذہب اپنی دنیاوی افسری کو بے انصافی سے شمال

کرے گا۔ باوجود اوں تمام تردیدوں کے جو انگریزی گورنٹ کرتی
ہے ہمارے بدخواہوں نے ہمارے برخلاف ہمیشہ یہ غل عجایا
کہ لوگوں کو ہم زبردستی اپنا مذہب اختیار کرانا چاہتے ہیں اور
ابھی تک جہلا اس بات کو بکثرت یقین کرتے ہیں۔

ہندوستان کے سفرنامہ کی ایک کتاب جو حال میں ایک
پارسی نے شائع کی ہے اوس میں مصنف یوں تحریر کرتا ہے۔ جن
چند مسلمانوں سے میں نے اس معاملہ میں گفتگو کی اُن کے دل و نپہ
یہ بات نقش کا گھر ہو رہی ہے کہ ہمارے حاکم اس ملک کے لوگوں کو
جس طرح ممکن ہو عیسائی کرنے پر آمادہ ہیں اور نہ جاسے تعجب ہے
کہ ایک ہی ملک میں عیسوی اور اسلامی رقابت کے جذبہ نے
ہندوستان میں وہ جذبہ اسلام کے پھر زندہ ہونیکا بھڑکایا ہے
جس کے اوں تمام ملکوں میں جاگنے کی شہرت ہے جہاں کہ مذہب
اسلام جاری ہے یہاں تک کہ اوں ملکوں میں بھی جہاں کہ دین
اسلام سلطانی مذہب ہے اور گورنٹ کی مدد کو بلا حجت تمام مکالم
محل ہے۔ مزید برآں ان دو بڑے رقیب مذہبوں نے ہندوستان کو
صرف مشترک میدان اشاعت مذہب ہی نہیں پایا بلکہ مذہبی مباحثہ
کے لیے مشترک الجھاڑہ اور تاشانی اور سامعین بھی پائے آج تک

سیاسی
میں
تھی
س
ساتھ
کے
فیصلہ
تسلیم
ہے
نہ
بھی
مذہبی
ایک
اوقات
میں
زیادہ
ہندو

دونوں طرف کے مصنفوں نے بحث میں کبھی صحیح تصحیح قائم نہیں
 کی تھی نہ اسی بنیاد پر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا تھا عیسائیوں
 نے بفر اخت اسلام کے دعوؤں کو عیسائیوں کے سامنے ہل
 کیا تھا مسلمانوں نے عیسائیوں کی تردید صرف مسلمانوں کے
 ہی روبرو کی تھی۔ دونوں مقابل کے لشکر اختلاف زبان اور اپنے
 صدر مقامات کے درمیان میں فاصلہ دراز کی وجہ سے جدا تھے۔
 لیکن اب ہندوستان میں انگریز عربی میں داخل ہو گئے ہیں اور
 ہندوستان کے مسلمان انگریزی کتابیں پڑھتے ہیں سر ولیم
 نے حضرت محمد کی سوانح عمری تحریر کی ہے جن شرعی کتابوں پر
 اسلام کی روایتی شہادت مبنی ہے ان کی نکتہ چینی کے ساتھ تحقیقات
 کی ہے اور انہوں نے سید احمد خان بہادر کو فوراً اپنا تردید
 کرنیوالا پایا جو ممالک مغربی و شمالی کی گورنمنٹ کے ایک مشور
 ہیں جسکے حال میں سر ولیم سید صاحب لکھنؤ گورنر کی حیثیت سے
 صدر نشین تھے۔ اگرچہ سید احمد خود اس زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے
 جبکہ وہ علم انگریزی اس درجہ تک تحصیل کر سکتے کہ انگریزی مقررہ
 جواب انگریزی زبان میں تحریر کر سکتے لیکن عربی میں سید صاحب
 کتب آن محمد کے لائق مصنف کے ہم پلہ ہیں جبکہ علاحدہ ایشیائی

میدان میں خود اونیس کے ہتھیار سے مقابلہ کرنے میں سید صاحب
 نے کوتاہی نہیں کی۔ بعض قصائد حبارت اور گالی گلوچ کے
 اب خاصی علمی بحث اور فاضلانہ تشریح کا آغاز پاتے ہیں جو اس
 عیسائی تذکرہ لکھنے والے نے حضرت محمد کی نسبت ظاہر کی ہے اس سے
 حسب معمول سید احمد نے بہت اجتناب کیا ہے۔ سید کے دلیر و دلیر
 میور کی کتاب پڑھ کر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت محمد
 کی سوانح عمری کے متعلق وہ تمام دو اہم ترین جنگوں میں
 خیال کرتے ہیں ان کی تقریظانہ تحقیقات کے بعد ایک مسلسل اور با اثر
 صورت میں جمع کیا وین۔ اس تجویز کی تکمیل میں چند روز چند اسباب
 سدراہ ہوئے لیکن انہوں نے ناظرین کو بارہ مضامین نذر
 کیے ہیں جن پر ان کے تذکرہ حضرت محمد کی پہلی جلد مشتمل ہے ہماری
 رائے میں اہل غرض اس کتاب سے سروسیم کی چند رائوں اور
 نتیجوں کی اصلاح اور ترمیم ہے۔ شاید یہ بات خلاف اعتقاد ہو
 ہے کہ اس لائق مسلمان مصنف نے عیسائیوں کی انجیل کے یونانی
 ترجموں کے معنی کے بارہ میں اپنے نکتہ چین مضمون کے لیے مضامین
 جمع کرنے میں دوسروں کے علم اور ترجمہ پر اعتبار کیا مثلاً وہاں
 جہاں کہ سید صاحب اصرار کرتے ہیں کہ انجیل کی اس آیت میں

سید صاحب
 کی رائے
 اور ترمیم

میں
 یونانی
 کے
 اپنے
 فہم
 ج
 ہر
 قات
 یہ
 ہر
 کے
 کا
 ب

"مناسب ہے کہ میں جاؤں کیونکہ اگر میں بجاؤنگا راحت بخش نہ آؤں گا"
 لفظ پیرائیس (متعلقہ جہاز) غلطی نسخے کے بجائے پرکاپ
 (متعلقہ جہاز) کے جسکے معنی ہیں مشہور یعنی احمد یعنی محمد۔
 اس سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے خود پیشین گوئی کی
 کہ میری رسالت کا ضروری جانشین اور خلیفہ کرنے والا حضرت محمد
 ہے۔ یہ طریقہ لفظی مباحثہ کا جسکے موافق ایک بڑے ہماری المام
 دینا کے مشہور قوموں میں تسلیم یا متروک کرنا ایک کاتب کے سہو یا
 ایک راب کی جعل سازی پر منحصر کیا جاتا ہے یورپین مباحثہ مذہبی
 کسی قدر نا پسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ کمونذہبی طوفانات کے
 مسائل کے لئے زیادہ تر وسیع بنیاد کی ضرورت ہے لیکن سید احمد
 زیادہ تر کامیاب ہوئے ہیں جب انہوں نے اپنی اس کوشش
 سے درگزر کیا کہ حضرت محمد کی رسالت عیسائی مقدس کتابوں سے
 ثابت ہوتی ہے اور اوروں پر اوں کلیہ قاعدوں اور حکیمانہ خیالوں کو
 بطور جواب کے استعمال کیا جو شرع محمدی کے خلاف شک ڈالنے
 کے واسطے استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً سید احمد نے مفصلہ ذیل فقرے
 "لیف آف محمد" سے منتخب کیے ہیں۔ "شرع نہانے کے مسلمانوں
 کی عادات روایت وحدانیت کی ترقی و نمو کے موافق تھیں" اپنے

پیغمبر کے افعال اور اقوال سے زیادہ اور کس مضمون پر اوائل نہایت کے
 مسلمان جوش سے تقریر کرتے، ذراؤں کے (حضرت محمد کے) پیروں کا
 اونکی نسبت خیال کرنے لگے کہ اعجازی قوت سے ممتاز ہیں۔ اور
 یہی مادہ تاجس سے روایتوں کو نشوونما حاصل ہوئی، یہ تصور کی
 بے روک ٹوک کوشش نے حلقہ کو مدد دی، یہ عرصہ دراز کے
 قدرتی طور پر یہ نتیجہ ہو گیا ہو گا کہ ان روایتوں کو لوگ باطل پرستی
 کی نظر سے دیکھنے لگے ہونگے۔ ان عبارتوں کی نقل کرنے
 کے بعد سید صاحب سب قدر حق کے ساتھ دریافت کرتے ہیں کہ
 کیوں موسیٰ کے معجزوں اور اوداؤں انبیاء کے عجیب و غریب
 حالات کو جنکو عیسائی مانتے ہیں غیر متعصب اور فراخ دل حکیمانہ
 خیالات کے ذریعے نہ کیا جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سید صاحب کا
 دعویٰ ہے کہ حضرت محمد کے لئے وہی توجہ اور مہربان محاذ ہونا چاہئے
 جو تمام گرجوں میں پارسا آدمی اون لوگوں کے افعال اور اقوال
 کے تذکرات کا کرتے ہیں جنکو وہ خدا کا رسول خیال کرتے ہیں اور
 اگر ایسا نہ تو سید صاحب کی یہ خواہش ہے کہ معجزوں کی تاریخ کا
 ایک ہی اجزاء اور اعضا شکن تحقیقات کے ساتھ امتحان کیا جاوے۔
 لیکن میں اس حلقہ معترض کے گریز کر کے اپنے مضمون اور اہل

دیکھا
 سب
 کی
 محمد
 نام
 ہو
 یحییٰ
 کے
 ہر
 ش
 کو
 لئے
 رہے
 دن
 چنے

مطلب کی طرف آتا ہوں میں نے رواروی میں اون تاریخی حالتوں
 اور ہندوستان میں ہماری حالت کے نتیجہ کا بیان کیا جنکی وجہ
 سے میری رائے میں یہ امر لایہی ہے کہ ایک گروہ عظیم مسلمانوں کا
 انگریزی گورنمنٹ سے ناراض ہو۔ ان تمام باتوں کو میرا انشا
 میں تو لکے میں یقین کرتا ہوں کہ یہ کتنا قریب قریب راستی کے
 زیادہ تر نزدیک ہو گا کہ مسلمانوں کا ناہمجہ اور غیر تعلیم یافتہ گروہ ہمارے
 مخالف ہے بمقابلہ اسکے کہ ان کے عمائد ہماری طرف نہیں ہیں جیسا
 ڈاکٹر ہنٹر کا کہنا ہے۔ میں بیان ہے مصنف مذکور نے اس بات پر بہت
 زور دیا ہے کہ بنگال میں مسائل وہاں پھیل گئے ہیں جہاں کی مسلمان
 رعایا بمقابلہ اور مسلمانوں کے مردہ دل اور غیر جنگجو ہے۔ سید احمد علی
 پٹنویوں میں جو مسئلہ کے اخبار پانیر میں شائع ہوئے اس بات سے
 بھی انکار کرتے ہیں کہ وہاں ہی ہی انگریزوں کی ماتحتی میں اپنی حالت کو
 ایسا خیال کرتے ہیں کہ جہن جہاد جائز ہے۔ وہ ذکر کرتے ہیں کہ
 جب عہدہ امین باغیوں نے دہلی کو لے لیا اور ان کے کمان افسر
 بخت خان نے اوس شہر کے مولویوں کو انگریزوں کے مقابل
 جہاد کے جواز کا فتویٰ دینے پر مجبور کرنے کی کوشش کی تو وہ
 سرگرم وہابیوں نے اوس سے سخت اختلاف ظاہر کیا۔ اگر ان

دونوں
 کو
 کہ
 اوس
 تو
 دیکھا
 بین
 سمجھا
 کچھ
 صو
 جہاں
 کے
 حصو
 مذہبی
 حیدر
 مسلمان
 میں

دونوں مشہور مولویوں نے خیر بخود ایسے وقت میں جہاد کے جواز کی
کوشش کو رد کا تو یہ مثال نہایت قوی ہے لیکن اگر واقعات یہ تھے
کہ بخت خان جو ایک مشہور باغی تھا ان مولویوں کے دستخط فقوی پر
اوس وقت کرانا چاہتا تھا جبکہ انگریز شہر پر گولہ اندازی کر رہے تھے
تو یہ ممکن ہے کہ اونہوں نے انگریزی توپخانے کو شہر کے قریب آتے
دیکھ کر قرآن شریف کی اوس آیت کو یاد کیا ہو جسکو ہم پہلے نقل کر چکے
ہیں یعنی یہ کہ مومنین پر یہ فرض نہیں ہے کہ اپنی ہلاکت پر بلا سوچے
سمجھے مسعد ہو جائیں بلکہ لیکن وہابیوں کے واقعی اعتقادات خواہ
کچھ ہوں بلا شک اونکے پیرو ہندوستان میں بہت کم ہیں اور ان
صوبوں کے مسلمانوں کے اور فرقے اونکو نہایت ناپسند کرتے ہیں
جہاں کے مسلمانوں کی خیر خواہی بہ نسبت بنگال خاص کے ہماری گور
کے استحکام کے لئے زیادہ ضروری ہے۔ ہندوستان کے اکثر
حصوں میں کسی وہابی مولوی کا آنا باہمی تنازع کی علامت ہوتا ہے۔
مذہبی عناد فوراً پیدا ہو جاتا ہے۔ چند سال ہوئے کہ نظام نے وہابیوں
حیدر آباد سے اسوجہ سے نکال دیا کہ اونہوں نے اوس بڑے
مسلمانی شہر میں بے انتہا فساد برپا کر دیا تھا کیونکہ وہاں کسی مذہبی
میں بغیر ڈال تلوار لئے جانا محض خائشا۔ حال میں ایک وہابی مولوی

برار کے صوبہ میں جو ملک حیدر آباد میں ہے آیا۔ وہ سچا رفاہی تھا
 اور جن خرابیوں کی وہ جو کرتا تھا وہ مذہبی تہنیں لیکن چند ہفتوں میں
 اوسنے مذہبی مسائل اور امور دینی کے انتظام پر بحث کر کے مولویان
 ضلع سے تنازع پیدا کیا اور وہ تمام ریاکار اور ظاہر دار جو بوجہ زیارت گاہوں
 کے پرستش اور چڑھاؤں کی آمدنی کے متمتع ہوتے تھے اوس کے
 منحرف ہو گئے۔ تمام فریقوں نے اوس پر الزام لگایا کہ وہ گورنمنٹ
 ملکہ مغلہ کے خلاف بغاوت کی باتیں کرتا ہے مگر انگریزی افسر اپنے
 فرائض کو فریادلی سے سوچ بھکر صرف مذہبی جھگڑے میں ہی پڑنے
 سے باز رہے بلکہ اونہوں نے انتظام اور امن سکھنے کی فکر کی اور
 اوس دہائی کو خاص محافظت پولیس میں رکھ دیا۔ اس طور پر میں نے
 اپنی رائے کے موافق اون اسباب کے بیان کرنے کی کوشش
 کی ہے جنکی وجہ سے مسلمانوں کو ہمارے ساتھ ناراضگی ہے اور یہ
 ثابت کیا ہے کہ یہ اسباب بیشتر ہندوستان میں ہماری سلطنت
 قائم ہونے کے ساتھ ہی ظہور میں آئے اور اوسکے ساتھ لازم ملزوم
 ہیں لیکن ڈاکٹر ہنٹر اور کرنل لیس نے خاص شکایتوں کی بوجھار کر دی
 ہے۔ اسکی تحقیقات ضرور ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے باخصیص ایک باب کا
 باب مسلمانوں کی شکایتوں سے بھرا ہے جو شکایتیں ڈاکٹر صاحب کی

راسے میں ایسی فاش غلطیوں کی وجہ سے ظہور میں آئیں کہ اگر یہ کتاب
 رعایا سے اطاعت کا رشتہ قطع کیے تو روا ہے۔ بہت سی بڑی
 بڑی باتوں اور حسابوں پر خبر اپنی کتاب کے اس حصہ میں ڈاکٹر ہنٹر
 نے اصرار کیا ہے لوگوں نے سخت اعتراض کیا ہے۔ اور میں یہ نہیں
 کہہ سکتا کہ یہ اعتراضات کامیابی کے ساتھ ہوئے یا نہیں لیکن ان
 جزویات کی نسبت بحث سے قطع نظر کر کے میں اون بڑے الزاموں
 کی تحقیقات کرنا چاہتا ہوں جو ڈاکٹر ہنٹر اور کرنل لیس نے ہندوستان
 کے نظم و نسق پر کیے ہیں۔ کرنل لیس اور ڈاکٹر ہنٹر نے نہایت
 سنگین اور وسیع الاثر نتائج اوس تعلیمی حکمت عملی سے نکالے ہیں
 جس کا آغاز لارڈ مکالی نے جو اس وقت ہندوستان میں عہدہ
 سرکاری پر مامور تھے اپنے مشورہ کے مشورہ میں کیا سوال
 یہ تھا کہ عظیمہ سرکار اعلیٰ درجہ کی تعلیم پر کیونکر صرف کیا جاوے؟ تعلیم
 رعایا جسکی اعانت سرکاری روپیہ سے ہوتی ہے انگریزی یا ایشیائی
 ہونی چاہیے؟ آیا گورنمنٹ پر مشرقی یا مغربی زبانوں اور علوم و فلسفہ
 کو شرف دینا فرض ہے؟ سکالی تمام و کمال مغربی علوم کا جانبدار
 تھا اوسے ایشیائی علوم کے خلاف رنگین اور پر جوش تقریریں کر کے
 عام مخالفت کو پست کر دیا اوسنے کہا کہ یورپ کے ایک عہد کتب خانہ

سر تھا
 ن میں
 دیان
 بنگال
 کے
 سٹ
 پنے
 کی اور
 نے
 مش
 اور
 طنت
 علم
 سر
 اب کا
 کی

کہ ایک انماری کا خانہ قیمت میں ہندوستان اور عرب کی کل کتابوں
 کے برابر ہے اور یہ بات زیریائین کہ سرکاری۔ وہیم ہندوستانی
 نوجوانوں کے اور کتابوں کے پڑھنے پر ضائع کیا جاوے جنہیں تمام
 دنیا کے جھوٹ اور لغویات بھروسے ہیں اور سوافض عادت کے اس قسم
 کی متضاد عبارت آرائی سے اونے اوس گروہ کے واسطے قبح حاصل
 کی جو انگریزی علوم کے جانبدار تھے (بقول کرنل لیس کے) اوس روز
 سے زبان انگریزی ہندوستانی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم کا ذریعہ قرار دی گئی
 اور جو مضامین اوس زبان میں سکھائے جاتے ہیں وہ بالکل یورپین
 ہیں۔ کرنل لیس کی رائے میں اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ تمام
 ملکی عہدے مسلمانوں سے نکال کر ہندوؤں کو دل دیئے۔ یہ کلیہ منقولہ ایک
 نظریہ ہے اوس مبالغہ آمیز فضاوت و بلاغت کی جسکی نسبت اس مضمون کے
 کی ایک اور حصہ میں شکایت لگائی ہے۔ یعنی یہ کہ بڑے واقعات کا ایک
 خاص اور محدود قسم کی چوٹی وجوہات کو سبب قرار دینا اور بلاشبہ ذرا
 سے اسباب اور وسیع نتائج میں صرف اختلاف ہی سے غیر محتاط ناظرین
 کے دلوں پر عجیب اثر پیدا ہوتا ہے۔ کرنل لیس کا معنف واجب التعظیم
 ہے لیکن ادب کے ساتھ میں طریقہ اخذ نتیجہ اور نیز اوس واقعہ پر جو نتیجہ
 فرض کر لیا گیا ہے اعتراض کرتا ہوں مگر اس سے اتفاق ہو سکتا ہے

کہ جس طور سے تبدیلی طریقہ تعلیم کا عملہ رآمد ہوا وہ خلاف مصلحت تھا
 لیکن اوسکے وجہ اوسی قسم کے تھے جنکو لارڈ مکالی نے باوجود اپنے
 تمام ذکاوت کے ہمیشہ نہ معلوم کیا سمجھا۔ کیونکہ پولیٹیکل نازک مزاجی
 کی زیادہ اندرونی اور نازک رگ وریشون سے پوری ہمدردی کرنے
 میں وہ قاصر تھا۔ اوسکے نزدیک تمام مشرقی علم ادب قریب قریب
 بالکل بے مصرف تھا اور اوسکے واسطے اتنی بات بس کافی تھی۔ اوسکے
 نزدیک یہ باتیں ہی نہایت احتیاط سے قابل غور نہ تھیں کہ ہندوستان
 کے لوگوں میں اپنی قدیم کتب کے ساتھ محبت آمیز میلان طبیعت ہے
 اور اونکی تمام عام تعلیم میں غیر زبان اور غیر کتب کے رواج کی مخالفت کا
 تعصب موجود ہے۔ ملکی معاملات پر اس نامور مصنف کا اندہاں کس قدر
 ہمشکل معاملہ میں ایک اور مرتبہ بخوبی ظاہر ہوا تھا جبکہ یہ تجویز ہوئی تھی کہ
 چند بیش قیمت آیرلینڈ کے قلمی نسخے برٹش عجائب خانہ کے واسطے خرید
 کیے جاویں۔ لارڈ مکالی نے کہا (مسٹر ایم آر نولڈ فرماتے ہیں) کہ میری
 رائے میں سارے مجموعہ میں کوئی کتاب خریدنے کے قابل نہیں ہے
 بجز جنگ امریکہ کے متعلق لارڈ میلول کے مراسلات کے۔ جب اس
 قدیم کلٹک کتب کو محض دی سمجھا تو یہ بات اغلب تھی کہ وہ سنسکرت
 یا عربی کی کتابوں کی قدر کرتا کیونکہ وہ قدیم حالات و واقعات کی تحقیقات

یہ زبان
 جس میں
 کتب خانہ
 کی کتابیں

کے لحاظ سے بھی قیمتی نہیں ہیں۔ بس اس نے اس وقت کی گورنمنٹ کو
 یونیورسٹی کی تعلیم سے مشرقی علوم کے خارج کرنے پر آمادہ کیا اور
 اس بات میں اس نے مناسب حد سے تجاوز کیا۔ زیادہ دانشمندی
 کی بات ہوتی (جیسا کہ کرنل لیس نے اب تجویز کیا ہے) کہ مسلمانوں کو
 مشرقی علوم میں ڈگری لینے کی اجازت دیجاتی اور ان کے نوجوانوں
 کی مذہبی تعلیم کے واسطے گورنمنٹ اپنی امداد جاری رکھتی جو ان کے
 مذہب اور رسم کے موافق پسندیدہ طریقہ میں دیجاتی۔ ہنوز ہماری
 ہندوستان میں اس قدر مستحکم نہیں ہوئی ہے کہ ہم سچے علوم اور غیر قومی
 تعلیم کی اشاعت کے ذمہ دار ہوں جبکہ یہ باتیں ان عظیم گروہوں کے
 خلاف طبیعت ہیں جس کے تعصبات نہایت نازک ہیں۔ اسی ہم اول حوالہ
 کی اشاعت کی خاطر پولیٹیکل بہتان کو گوارا نہیں کر سکتے۔ اگر مسلمان
 اپنی کتب کو اب تک ترجیح دیتے ہیں تو یہ کو ان کی مخالفت اس طور سے
 انکار فی چاہیے کہ ان کو ناگوار گذرے بلکہ ابھی ان کو اپنے ہی راستہ پر
 چلنے دینا چاہیے۔ یہ ان کو سمجھا دینا چاہیے کہ ابتدائی مدارس میں انگریز
 نہیں ہے اور ساری شکایت اس طریقہ کی نسبت ہے جس سے
 پریزیڈنسی کی یونیورسٹیوں کے سلسلہ تعلیم سے مشرقی علوم خارج
 کر دیے گئے۔ اس سبب خالص اسلامیہ کالج یونیورسٹی میں داخل

منقولین
 ۱۱

نہیں ہو سکتے اور دوسرے یہ کہ ہو گئی کے مدرسہ اسلامیکہ سرایہ
 بجائے ایشیائی علوم کے انگریزی علوم کی تعلیم میں صرف کیا گیا۔
 یہ پوری پوری اصلاحات یہ اختراعات جو یکایک کی گئیں نہایت ہی
 قبل از وقت تھیں۔ ہم ایک قدیم جماعت کو جو کسی قدر تعلیم یافتہ ہی
 سوشل ترقی کے اوس درجہ پر عجلت سے نہیں پہنچا سکتے جو یورپ
 کی قوموں نے عرصہ دراز میں حاصل کی ہے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ
 تعلیم کی نسبت ایسی شکایتیں اب قریب قریب رفع ہی ہو گئی ہیں۔

برخلاف اسکے مجھ کو اپنی اس رائے کا کمر اٹھا کر نا ضرور ہے کہ اُن
 صریح نتائج میں مبالغہ کیا گیا ہے جو ہماری تعلیمی تبدیلیوں سے ظہور پذیر
 ہوئی ہیں۔ اور گوان با توں نے بنگال کے مسلمان طالب علموں
 کسی قدر ناراض اور افسردہ کیا ہو لیکن کل ہندوستان کے
 مسلمانوں کے غام جذبوں اور حالت سے اونکو بہت کم بلکہ کوئی تعلق
 نہیں ہے۔ مزید برآں گویہ یقینی امر بھی ہو کہ تمام ملک میں انگریزی تعلیم
 کی صاف صاف اشاعت سے گورنمنٹ شاید مسلمانوں کے تعصب
 اور اغراض کو ضرر پہنچا دے خصوصاً انگریزی تعلیم کی اشاعت میں
 تعجیل کی وجہ سے تاہم اگر ہلکے مطلقاً ترقی کرنی ہے تو محض ایک اسی
 سمت ہوگی اور تمام سچی ذہانت اور اعلیٰ علمی لیاقت مسلمانوں کی جس

ادھر آجاویگی گو کہ ہندوؤں نے اس کے محل کرنے میں پیش قدمی
 کی ہے۔ مسلمانوں کا مروجہ طبیعت ہندی رہنے کی طرف ہو
 اور اپنی قدیم کتب کی بجائے جدید لٹریچر کے اشاعت سے وہ
 بہت غیر مطمئن ہوں لیکن یہ یقینی امر تھا کہ یہ مشکلات اور مخالف اثر
 ہمارے سد راہ ہونگے۔ یہ دقیق بننے اپنے طور اختراع نہیں کیں
 نہ انتظامی خرابی سے پیدا ہوئیں گو کسی قدر بد نظمی سے اس مسئلہ
 زیادہ پیچیدگی ہو گئی ہو۔ بہر نوحہ علم سکوت اختیار کر نہیں سکتے یعنی
 اس روشنی اور ہوا کو بند نہیں کر سکتے جو مغرب کی کٹھ کیوں کے
 کہو نے سے ہندوستان میں داخل ہوئی ہے صرف اس وجہ سے
 کہ شروع شروع میں سلامت رو مسلمانوں کو یہ ہوا چکر میں ڈال دے
 یا روشنی چکاچوند کر دے۔ کیونکہ ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مغربی علوم
 کی اشاعت پر مسلمانوں کو اس قدر اعتراض نہیں ہے جس قدر کہ اس
 اشاعت کے اس لادینی نتیجہ پر کہ ہمارے زیر حکومت حکاموں کی
 ترقی اور معزز پیشوین افزائش منزلت کا وسیع اور کشادہ راستہ
 مغربی تعلیم ہے اور تمام آئینوں کے واسطے یہ راہ کھلی ہے۔
 اسکی وجہ سے قدیم علوم اور مسلمانانہ فضیلت کی مخصوص رعایتیں
 کم و بیش منسوخ ہو گئیں۔ اس امر کا دریافت کرنا نایاب مشکل ہے

کہ ہم اس معاملہ میں مسلمانوں کی کمزوری دکر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان
 میں ہمارے ملکی انتظام کے لیے عمدہ ترین دماغین اور اعلیٰ درجہ کی
 لیاقت کے تعلیم یافتہ لوگوں کی ضرورت ہے جو دنیا ہر میں مل
 سکتے ہیں۔ اور اونی درجہ کی تعلیم کے آدمیوں کے ملکی انتظام میں
 تفرق کی وجہ سے ہکولیسے خطرہ کا اندیشہ ہے جو مسلمانوں کے مخالفانہ
 جذبات سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ فوجی ملازمت سے جو مسلمانوں کو
 اس قدر عزیز ہے اعلیٰ درجہ کی تعلیم ابھی متعلق نہیں ہے لیکن ہندوستان
 میں ہماری موجودگی کی علت غائی اور ہماری حکمرانی کا مقولہ یہ ہے۔
 ”تو کری کا در کھلا ہے لائق ہنرمند کے لیے“ اور ہندوستان
 کی گورنمنٹ کی حکمت عملی کا استقلال کے ساتھ رجحان اس طرف ہے
 کہ انتظامی اور عدالتی خدمات کے ہر درجہ میں زیادہ تر تقررات
 بلحاظ لیاقت کے ہوں۔ گومسٹر ڈیلیو ہے پالکرو کی مٹین اور سنجیدہ
 رائے قابل سند اور ادب ہے کیونکہ صاحب موصوف کو مالک مساکتہ
 سے ہداتہ واقفیت حاصل ہو لیکن چکواندیشہ ہے کہ ان کی تدبیر شکل سے
 طمانیت بخشے گی۔ ”کہ آجکل خود مسلمانان ہند کو ادون تمام سوشل اور
 مذہبی قضیوں کے فیصلہ کے لیے جو مابین مسلمانوں کے واقع ہوں
 جدا اسلامی عدالتیں قائم کیا وین چکے ہیں مسلمان ہی ہوں یا شایہ

۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰

مسلمانوں کے بڑے بڑے شہر و زمین مثل دہلی اور پٹنہ کے یہ تجویز
 کامیاب ہو اگرچہ بعض لوگ وہاں بھی اون عدالتوں کو ترجیح دینگے
 جو بالکل بے مقصد اور بے لگاؤ ہیں خصوصاً مقدمات اپیل میں اور
 اس جہاں گانہ اختیار سماعت کا یہ نتیجہ ہو گا کہ ہندوستان کی نوخیز
 نسلیں مسلمانوں کی غلطی کی کوترتی ہوگی۔ مگر ہندوستان کے تمام
 وسیع صوبوں میں مسلمان متفرق طور پر آباد ہیں اور بہت سے بڑے
 اضلاع میں لائق حجون کے دستیاب ہونے میں بہت حیرانی ہوگی۔
 اگر مسلمانوں کی واقعی یہ خواہش ہے (جیسے کہ انکے حامد کی
 خواہش ہے) کہ ہندوستان کی ہماری سلطنت میں اپنا وہ اعلیٰ درجہ قائم
 رکھیں جسکے وہ لوگ اپنے اوصاف حمیدہ اور مستقل مزاجی اور اعلیٰ درجہ
 کی جسمانی جرات کی وجہ سے قدرتی طور پر مستحق ہیں تو آجکل انکو علم و ادب
 اور علوم کے قبول کرنے کے واسطے اور اون اقوام کے جلسہ میں شرکت
 کے لیے حزم کرنا چاہیے جو تمام دنیا پر حکومت اور رہنمائی کرتے ہیں
 اور تمام مسلمانوں کو آسانی بلکہ امداد دینی چاہیے جو اپنی اپنی
 قدیم تصانیف کے شائق ہیں اور اس قسم کی تعلیم کے خواہاں ہیں
 جو عربی دینیات اور فلسفہ کی کتب سے حاصل ہوتی ہے۔ حسب تجویز
 کرنل بیس کے تمام ہندوستانیوں کو اجازت دیجادے کہ اپنی

۱۱
 کی

مرضی کے موافق مشرق یا مغرب کی طرف پھر مین ڈگری چل کر ہین
 ہمارے ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں ایک مشرقی اور ایک مغربی
 فیکلٹی آف آرٹس قائم کیا جاسے تاکہ ہر شخص اپنے میلان طبیعت کے
 موافق اور اپنے پسند خاطر پیروی کر سکے۔ لیکن اگرچہ ہم یہ باور کر سکتے
 ہیں کہ ہم پر اپنی ہندوستانی رعایا کے لیے تعلیم کے دونوں طریقوں کا
 روار کتنا فرض ہے اور ہم پر اپنی راہ کو صرف اسوجہ سے مسدود نہیں
 کر سکتے کہ وہ ہماری راہ میں گناہ کرتی ہے تاہم یہ ذمہ داری
 بھی نہیں کر سکتے کہ تعلیم و تربیت کے دونوں شعبوں سے یکساں نتائج پیدا ہوں
 اور لوگوں کے لیے جو ایشیائی تعلیم کو پسند کرتے ہیں ہم یہ اقرار نہیں
 کر سکتے کہ وہ زندگی کی شامراہوں میں جہنم اور عزت کی طرف لیجاویں
 ہیں اور آدمیوں کی برابری کر سکیں گے جنہوں نے ان علوم کے حاصل
 کرنے میں جانفشانی کی ہے جو آجکل بڑی قوت ہے جسکی علمی خزانہ
 کی وجہ سے یورپ کے پچاس برس چین کے ایک قرن سے بڑھ کر
 ہیں جو علوم کہ پراسن سلطنت کے اسی طور پر زور و قوت میں جیسے
 جنگ کی قوت روپیہ ہے یہ غیر ممکن ہے کہ آج کل کے زمانہ میں جو
 لوگ ہندوستان میں اپنے تین چھپے رکھنے کے وہ پسند ہی نہ جادیں
 ایسے ہکو آئین کلام ہے کہ مسلمانوں کو انکی خاص کتب کی تعلیم کی

سرتی سے شکین ہوگی کیونکہ اونکی اہلی شکایت یہ ہے کہ اب اونکے
 علوم کی تعلیم پرانی وضع کی ہوگئی اور یہ کہ مسلمانوں کو اپنی اس سچ اور
 الہیات میں دسگاہ جہل کرنے سے عزت اور اعلیٰ عہدے اہل
 نہیں ہوتے۔ صحیح اور واجب شکایت ہے لیکن اسکی چارہ سازی
 ہم کیونکر کر سکتے ہیں بجز اسکے کہ صبر اور غایت درجہ کا حاط کیا جاوے
 نہ یہ ممکن ہے کہ اول آئندہ (المہرل) مسلمانوں کی درخواست منظور کیاوے
 جو اپنے فہم و فراست کی وجہ سے یورپین تعلیم کے بے انتہا فوائد کی
 بخوبی قدر کر سکتے ہیں لیکن اونکی جب الوطنی اس قدر زیادہ ہے کہ وہ
 اپنے ملک کی زبان اور اپنے مات کی تہذیبات کو ترک کرنے میں پس
 پیش کرتے ہیں یہ شریف لوگ جنہیں سید احمد خان صاحب سربراہ
 ہیں یہ بحث کرتے ہیں کہ مغربی علوم کا تمام خزانہ انگریزی زبان میں
 نہ کہنا چاہیے بلکہ ہماری گورنمنٹ کو مناسب ہے کہ دوسری زبانوں کے
 ذریعہ سے اس گنج قارون تک ہندوستانیوں کے پہنچ جائیکے لئے
 کوئی تدبیر نکالے تاکہ دسیوں کو یہ ضرورت نہ ہے کہ وہ ایک غیر زبان
 سیکھنے میں برسوں محنت کریں قبل اسکے کہ وہ حکیمانہ خیالات اور علمی تجربات
 کے بالا ذکرہ میں بلند پروازی کر سکیں۔ بلاشبہ ایک غیر زبان پر ادا کانی
 قدرت حاصل کرنا ایک سخت مشکل ہے لیکن اس وقت کے رفع کرنیکی

ہم بمشکل سعی کر سکتے ہیں کیونکہ اپنے ہندوستان کی رعایا کے فائدہ
 کے واسطے یورپین علم ادب کے ترجمہ کرنے کی ذمہ داری ہم نہیں سکتے
 کیونکہ تعلیم یافتہ ہندوستانی مختصر خلاصوں اور غیر کامل ترجموں پر
 خندہ زنی کریں گے سید احمد خان صاحب کے صاحبزادہ نے ولایت
 کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی ہے اور بس پیشہ یا خدمت میں چارین
 اول درجہ کے حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کی ہے جو ہندوستان
 میں واپس اگر پسند کریں۔ علمی قابلیت میں وہ نوجوان اسکے واسطے
 کیونکہ ٹھہر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی انگریزی نہیں پڑھی یا جنہوں نے
 ہندوستانی ترجموں کے ذریعہ سے یورپین علم ادب کو پہچانا ہے۔
 ممکن ہے کہ مشرق کے وہ پیشرو جنہوں نے مغرب کے اس علمی خزائن کو
 ڈھونڈا اور اوس پر قبضہ کیا بحیثیت مترجمین اور شارحین کے دیسی زبانوں
 کی اوس شرک کے بنانے میں کوشش کریں جس کے ذریعہ سے اوس
 وہ ہموطن جو انکی بہ نسبت کم ہمت اور کم دو تہند ہیں انکی پیروی کر سکیں
 لیکن ہمنے مجبور ہو کر اس کام کو ہندوستانیوں کی بہ روئی اور جھگڑائی
 چھوڑ دیا ہے۔ انگریزی گورنمنٹ نے تمام ہندوستانیوں کے لئے اوس
 دیسی زبانوں میں ابتدائی تعلیم کا عمدہ طریقہ جاری کیا ہے اور سرکاری
 انسپیکٹر اچھا کرتے ہیں اگر اس قوی احتمال پر (اگرچہ وہ درجہ تین پہلو)

۹
 ہندوستان
 کی یونیورسٹی
 میں تعلیم
 پائی ہے
 اور بس
 پیشہ یا
 خدمت میں
 چارین
 اول درجہ
 کے حاصل
 کرنے کی
 قابلیت
 پیدا کی
 ہے جو
 ہندوستان
 میں واپس
 اگر پسند
 کریں۔
 علمی
 قابلیت
 میں وہ
 نوجوان
 اسکے
 واسطے
 کیونکہ
 ٹھہر
 سکتے
 ہیں
 جنہوں
 نے
 کبھی
 انگریزی
 نہیں
 پڑھی
 یا
 جنہوں
 نے
 ہندوستانی
 ترجموں
 کے
 ذریعہ
 سے
 یورپین
 علم
 ادب
 کو
 پہچانا
 ہے۔

کا خاکہ کرتے کہ تمام ویسی مدارس میں جو سب نیم مذہبی ہوتے ہیں کسی
 نہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم ہی ہو اگر قی ہے۔ ہندو اور مسلمانوں کے مدارس
 علیٰ اہموم جدا ہیں۔ اسکی کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے صرف
 مسلمانی تعلیم کیون نہ پناویں۔ سرکار اب بھی اس قسم کی ابتدائی تعلیم کی
 امداد کرنے پر آمادہ ہے بشرطیکہ دنیاوی علوم کی عمدہ ابتدائی تعلیم
 اصول کے ساتھ ہو۔ لیکن آزادانہ تجارت کے اصول پر تعلیم کے اعلیٰ درجہ
 کے مضامینوں میں ہم اس بات سے باز نہیں رہ سکتے کہ ہم انگریزی
 علوم میں استعداد ہم پہنچانے کی طرف زیادہ مائل کریں کیونکہ گویہ
 بلاشبہ غیر ملک کا مال ہے لیکن عمدہ ایسا ہے کہ اس ملک کے مال
 سے اور اس سے کچھ نسبت ہی نہیں۔ تعلیمی عطیوں کو مشرقی اور مغربی
 علوم میں بلا طرداری اور برا تقسیم کرنے سے ہم قدرتی شکایتوں کو
 رفع اور تعصب کو دور کر سکتے ہیں اور ڈاکٹر ہنٹر کی عمدہ صلاح کے
 موافق علم کے اون دونوں شاخوں کے ملائے کی کوشش کریں لیکن آخری
 نتیجہ کو ایشیا کی نہایت ہوشیار قوموں کی فراست اور علمی مذاق پر چھوڑ
 خلاف مصلحت نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ علم اور ہنر کی اشت
 خلفہ ہندی کا نتیجہ ہے اور گوشل اور جنگ آزما قوموں کے مسلمانوں
 نے اپنی تہذیب مفتوح قوموں سے حاصل کی ہے تاہم اونکو اب کیا تو

The British

ایسی قوم سے روشنی اور داعی رہبری قبول کرنے پر راضی ہونا
 چاہیے جسکو علم اور ہتھیار دونوں باتوں میں یورپین تعلیم کی فوقیت
 حاصل ہے۔ اور دوسرے مختصر الزاموں کی با تفصیل تحقیقات میں
 وقت صرف ہوگا جو انگریزی گورنمنٹ پر لگائے جاتے ہیں اور جو مسلمانوں
 ہمارے عام پسند نمونے کے واجب اور کافی وجوہات اور مصنفوں
 کی رائے میں خیال کیے جاتے ہیں جو ان الزاموں کو ہمارے
 انتظامی عیوب سے صریح منسوب کرتے ہیں۔ ان فرد الزاموں کی
 عبارت نہایت سخت ہے مثلاً ”مذہبی اوقاف کی بالحد خیانت“ ^{ہندو} ^{ستان}
 کی عیسائی گورنمنٹ پر ایک سنگین الزام ہے اور اسکو ڈاکٹر ہنٹر
 نے ثابت نہیں کیا ہے۔ اس الزام کی بابت صرف اس قدر بات ثابت
 ہو سکتی ہے کہ بعض اوقات وقف ناموں کی تحقیقات میں ہم نے غیبت
 سختی کی ہے اور ایک موقع پر ہم نے بعقلی سے گو کہ نیک نیتی سے
 انگریزی طریقہ تعلیم کے لئے اس سرمایہ کو خرچ کیا جو کہ مذہبی اخراجات
 کے لئے وقف کیا گیا تھا۔ ایک اور الزام یہ ہے کہ ہم نے مسلمانوں
 کے اور مذہبی انسروں کو موقوف کر دیا جو عقد نکاح کو مذہبی سند
 بخشنے تھے، گو بایں مسلمانوں کی جماعت میں رشتہ نکاح کو منقطع اور
 غاندانون کہ شہر بہر کرد بار بر خلاف اسکے ہم نے صرف اتنی بات ضروری

ہے کہ قاضیوں کا سرکار کے حکم سے تقرر ہونے سے دو کر دیا اور ان کا تقرر
 یا انتخاب مسلمانوں کی جماعتوں پر چھوڑ دیا۔ غالباً یہ تبدیلی ایک ایسی
 غلطی تھی جس کے نتائج اوس وقت نظر نہ آئے ہونگے اور اب تو اس غلطی
 کی اصلاح کر دی گئی ہے اور ان مقامات میں جہاں کہ پرانے حالات پر
 عود کرنا ممکن معلوم ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ فعل ہمارا اس غرض سے تھا کہ
 سرکار کو غیر عیسائی مذاہب کی سرپرستی سے قطع تعلق ہو جائے اور
 ہمارا یہ گمان تھا کہ یہ قطع تعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کو ناپسند نہ ہوگا
 اور ان معاملات میں ہماری دست اندازی اور نگرانی گذرتی ہوگی۔
 قاضی اب تک اپنے فرائض ادا کرتے ہیں اور اپنے حقوق حاصل کرتے
 ہیں اور ان کی آمدنی کی کفالت بالعموم اراضی یا مالکدار می پر ہوتی ہے
 قاضی کسی طور پر سوتوں نہیں کیے گئے لیکن وہ اب سرکاری ملازمین
 میں ممکن ہے کہ ان عام تبدیلیوں سے کہیں کہیں مختص المستام
 نارا ضلکی ہو گئی ہو جہاں کہ ان تبدیلیوں سے خاص خاص ذاتی منافع
 اور قومی تعصب کو ضرر پہنچا ہو مگر کوئی معقول پسند آدمی ملکی معاملات پر
 بحث کر نیوالا تسلیم نہ کرے گا کہ وہ تغیرات اس قدر بڑے ہیں اور اپنے نتائج میں
 وسیع الاثر ہیں کہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے خیالات میں
 اونکی وجہ سے عام متلاک بڑھاوے مسلمانوں کے بیشتر حصے تو

ان تغیرات کا نام ہی نہ سنا ہوگا اور یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دونوں
مصنفوں کا تجربہ جنہوں نے اس معاملہ میں خاصہ فرسائی کی ہے
ایک ہی صوبہ یعنی بنگال پر محدود ہے۔ ان راویوں کے مخالف
معقول پسندی کے ساتھ یہ حجت کیجا سکتی ہے کہ ہمارے تسلط کی مخالفت
مسلمانوں کا جذبہ اور وہ باغیانہ چہرہ چار جو گاہے گاہے ہندوستان
کے مختلف حصوں میں ہو جاتی ہے ایک وسیع بیقرار و متزلزل عایا پر
غیر قوم کی حکمرانی کے خلقی لوازمات ہیں اور جو کچھ ہم دیکھتے یا سنتے
ہیں اوس سے زیادہ نہیں ہے جسکی ہکو توقع تھی اور جسکی پیشین گوئی
ہو سکتی تھی اور مسلمانوں کا جزو آبادی بالضرور خلقی طور سے کسی قدر
مخالفت اور بچپنی ظاہر کریگا خط و کتابت و آمد و رفت کے ترقی یافتہ
وسائل یعنی ڈاک و تار ریل و دھانی کشتی مسلمانوں کو متفق کر رہے
ہیں اور برخلاف اسکے اس صدی کے آغاز میں ہندوستان کے
مسلمان مغربی مسلمانوں کی بڑی قوموں سے قریب قریب جدا
اور غیر ملکوں میں کچھ بڑی وقت نہ کرتے تھے لیکن اب وہ بلحاظ دولت
و تعلیم و تہذیب کے اسلامی جماعتوں میں معزز رتبہ پر ہیں۔ وسطیہ
سے سمندر تک ہندوستان ایک شاہراہ ہوا جاتا ہے کیونکہ پشاور
سے ریل جو آتی ہے وہ کابل اور قندھار اور بڑی بڑی منڈیوں کو

ایسی اور راجی ہند سے ملاتی ہے اور حجاز کے متبرک شہروں میں جو
 سالانہ اجتماع حاجیوں کا ہوتا ہے وہیں ہندوستان کے حاجیوں
 کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ان تمام وجوہات سے ہر سال
 جسکو ہندوستان کے مسلمانوں سے تعلق ہے روز افزون فتنہ
 چھل کرنا جاتا ہے اور اسکی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے اور اسباب کی
 ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ بیان کرنے سے پہلے کل موقع کو منظر
 غور دیکھنا چاہیے۔ ہمیشہ کہی نہ کہی ہم چونک پڑتے ہیں جب ایک
 ہوشیار مصنف اپنی تحریرات سے اس معاملہ کی ایک رخی ادھر ہی
 ہوئی تصویر کھینچتا ہے اور بہت سے حیرت انگیز واقعات جمع کر لیتا ہے
 اور اوراؤن تمام غلطیوں اور سہوؤن کا ڈھیر لگا دیتا ہے جو کہ
 ہر طور پر اس ہماری مشکل راہ میں حائل ہیں جسپر ہکو چلنا پڑتا ہے۔
 لیکن مجبوعین یہ ہے کہ اور قوموں کو جو دور سے تماشادیکھتی ہیں
 بڑی حیرت ہے کہ ہماری غلطیوں کی تعداد اور زیادہ کیوں نہیں
 ہے اور مجموعی طور پر سرکشی اور ناراضگی کی ناگوار اور پیشتر سے
 آگاہ کرنے والی علامتیں اسقدر خفیف ہیں۔

میں نے ان ضروری سببوں اور حالتوں کی تصویر کھینچنے کی
 کوشش کی ہے (گو بہت عجلت سے اور غیر مکمل طور پر) جنکی وجہ سے

مسلمانوں میں ایک قسم کی ناگوار ناراضگی ہماری گورنمنٹ کی طرف
 اتنا تک پہنچ جاتی ہے اور جس ناراضگی کے سبب سے عرصہ تک
 کامل اعتماد درمیان ہمارے اور ایک عالمی طبع لیکن کسی قدر
 غیر مصباحہ جماعت کی ملتوی رہیگا کیونکہ جب قدر اونکی شکایت واقعی
 اور درست ہے وہ یا تو اونکی حالت سے جدا نہیں ہو سکتی اور یا تو
 علاج خود اُنکے ہاتھ میں ہے۔ جہاں تک کہ اونکی شکایتیں اونکی
 واقعی حالت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں یہ کوئی بہرہ و نہ کرنا چاہیے
 کہ امتداد زمانہ اور تحمل اور نفع کر دیگی اور یہ کہ مسلمانوں کو یقین
 دلانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ گذشتہ نقصانوں کے عوض میں
 اونکی خاصی تلافی اور فوائد سے ہوئی ہے جو اونکو بلاشبہ ایسی
 گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں رہنے سے یقینی حاصل ہوتے
 ہیں جسکے انصاف اور شایستگی میں کوئی گورنمنٹ اب تک اس
 ملک میں ہم پلہ نہیں ہوئی۔ نسبت اور اتفاقیہ نقصانوں کے جو
 مسلمانوں کی طرف سے تہلکے جاتے ہیں اور نیز نسبت اور
 غلطیوں کے نتائج کے جو غیر قوم حکمرانوں سے کم و بیش سرزد
 ہوتے ہیں ہم حتی الوسع اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں اور ہم
 یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے عمدہ ترین انگریزی افسرین مسلمانوں

کے نہایت پر جوش و کیلون کی کمی نہیں ہے لیکن ہکوا اپنے واقعی
 انصاف اور مصلحت وقت کے وسیع خیالات کی پابندی ضرور ہے
 ہم انکو ہمیشہ ایسے ٹیڑھے اور پیچدار سانچے میں ڈال نہیں سکتے
 کہ ہندوستان یا کسی اور ملک کے اتفاقی اور عارضی تقصبات کے
 چکر دن اور کوفن کے ساتھ موزوں کر سکیں۔ ہم اس بات کی فہم داری
 نہیں کر سکتے کہ مسلمانوں کا وہ حق ہے جو ہمارے ہندوستان کی
 اور رعایا کے لئے خلاف انصاف ہو گا ہم ملکہ مظہ کی رعایا کو کسی
 ملکی حیثیت بخشنے سے باز نہیں رہیں گے خواہ وہ مذہب بدلے خواہ
 گمراہ ہو گئی ہو نہ ہم گھڑی کی سوئی کو پیچے ہٹا سکتے ہیں تاکہ ہم ہندوستان
 سی عمدہ اور زرخیز زمین میں یورپین تعلیم کی تخریزی اور عمدہ پیداوار کو
 نہونے دیں۔ ہکو ضرور ہے کہ اپنے دفتر وں میں عمدہ ترین آدمیوں کو
 بہرتی کرین چاہے وہ کوئی کیون نہواور ہکو ہندوستان میں حکمرانی
 موافق اصول ترتیب اور ترقی اور ملکی آزادی اور مذہبی برابری کے
 کرنی لازم ہے خواہ کیسا ہی کچھ خرچ ہو جاوے۔



ہماری مذہبی حکمت عملی ہندوستان میں

(یہ مضمون ۱۸۷۷ء میں رسالہ فورٹ ٹاٹل ریویو میں شائع ہوا)

ملک برطانیہ میں تعلقات مابین سرکار و مذہب اب بھی نہایت نازک حالت میں ہیں اس ملک میں بھی جہاں کہ عہد حکومت خود رعایا ہی کے ہاتھ میں ہے، جگہ جگہ اعلیٰ اعتقادات پر خاصہ اتفاق ہے اور جو اقل دین عیسوی کو اپنے سوشل معاملات کی بنیاد سمجھتے ہیں کوئی امر اس سے زیادہ معرض بحث میں نہیں آیا اور نہ اس سے زیادہ اور کوئی معاملہ محتاج تفسیر ہے اسکے برابر کسی اور انڈیوئی ملکی معاملہ پر انگریزوں میں اس قدر گرج و مرج سے بحث نہیں ہوتی اور اسی باعث سے ہند کے معاملات میں اور کسی امر پر اونکی دلی توجہ اس قدر مبذول نہیں ہو سکتی جتنی کہ اس عام خیال پر کہ ہندوستانی رعایا کے مذہبی اعتقادات کے ساتھ اپنے تعلقات میں ہماری گورنمنٹ سرسر غلطی پر ہے مگر یہ خیال میں جب انگریزوں کے فرائض حکمرانی ہند کا مسئلہ معرض بحث

۴
اور جو اقل دین عیسوی کو اپنے سوشل معاملات کی بنیاد سمجھتے ہیں کوئی امر اس سے زیادہ معرض بحث میں نہیں آیا اور نہ اس سے زیادہ اور کوئی معاملہ محتاج تفسیر ہے اسکے برابر کسی اور انڈیوئی ملکی معاملہ پر انگریزوں میں اس قدر گرج و مرج سے بحث نہیں ہوتی اور اسی باعث سے ہند کے معاملات میں اور کسی امر پر اونکی دلی توجہ اس قدر مبذول نہیں ہو سکتی جتنی کہ اس عام خیال پر کہ ہندوستانی رعایا کے مذہبی اعتقادات کے ساتھ اپنے تعلقات میں ہماری گورنمنٹ سرسر غلطی پر ہے مگر یہ خیال میں جب انگریزوں کے فرائض حکمرانی ہند کا مسئلہ معرض بحث

۴
 میں آتا ہے تو ولایت کے انگریز اوس پیچیدگی پر بحفاظ و غور نہیں کرتے
 ہیں جو جائز و فرائض حکومت کے عام مسئلہ کے چھڑنے کے ساتھ پیدا
 ہو جاتی ہے علی الخصوص جب یہ امر تفتیح طلب ہے کہ حکام عیسائیوں کو
 بلحاظ کثرت مذاہب اور گروہوں و فرقوں کے جو اس ملک میں موجود
 ہیں اور ہمیشہ اوس مذہبی کارخانہ میں پیدا ہوتے جاتے ہیں کیا برتاؤ
 کرنا چاہیے کیونکہ صرف یہی امر نہیں کہ جو مروج اور مشہور مذاہب ہند کے
 ہیں وہ ایک دوسرے سے بالمتوسل و بالاستقلال مختلف ہیں یہاں تک
 کہ اصول اخلاق کی نسبت متناقض خیالات رکھتے ہیں اور جو امور ات
 حسن و نیکواری کے ہیں یا جو افعال شدت سے منہر حوام میں اونکے
 نسبت مخالف قواعد پر عمل کرتے ہیں بلکہ ہکا و اون مختلف رنگوں اور
 صورتوں پر نظر ڈالنی چاہیے جو ان مختلف خیالات و مسائل کے مختلف
 عقول افراد کی عینکوں پر چڑھنے سے پیدا ہوتے ہیں علاوہ بین این
 استخاصمین میں فیصلہ کرنے کے وقت اکثر مختلف شکلیں ایک یا دوسرے
 مذہب کی ایک ساتھ پیش آجاتی ہیں مثلاً ہر مذہب پر بظاہر کوئی فرقہ کا
 عقیدہ ہے الا بالاصل اوسکے پسندیدہ طریقہ کو سمجھنے اور اوس پر عمل کرنے
 میں وہ فرقے بالکل غیر متفق ہیں اور ایسی عجیب صورت میں گورنمنٹ
 کے برتاؤ پر ایسے متناقض نظروں سے نکتہ چینی و جرح کیجاتی ہے جیسے کہ

انگلستان اور ہندوستان اس حالت میں گورنمنٹ کا صرف یہی
 کام نہیں ہے کہ ان کثیر زبردست مذاہب کے اغراض و مقاصد کو
 خاص کو جو باہم ایسے مختلف حیثیت و تناقض المزاج ہیں ملحوظ اور مری
 سکے بلکہ یورپ اور ایشیا کے معتقدین مذہب کے سامنے اپنا طریقہ
 عمل پیش کرنا اور ہر دو غلط سم کے مذہبی تعصبات کو ملحوظ رکھنا پڑتا
 ہے پس اس صورت میں ہم انگریز متناقض سیاستوں سے ناپے جاتے
 ہیں اور مختلف ترانہ و دن کے تو لے جاتے ہیں ہند میں بکولپنے
 طریقہ عمل کے وجوہات برہمنوں اور بت شکن مسلمانوں کو جو اپنا
 عقیدہ مذہب سیف و سنان کی پاک بنیاد پر قائم کیے ہوئے ہیں
 بتلانے پڑتے ہیں ادنیٰ بت پرستانوں کے عقیدے کی ذمہ داری روٹی
 میں عمدہ معلوم ہونا پڑتا ہے اور یہ ہوسلج کے روئے ضمیر عقیدہ و حد
 کو بھی خوش رکھنا پڑتا ہے ساتھ ہی اسکے ادنیٰ پر ہوش پادریوں
 کی سوسائٹیز کو جو اب دنیا و سر ہی جکا یہ مقولہ ہے کہ جملہ معاملات اوقاف
 وغیرہ اقوام غیر عیسائی سے منقطع کر کے گورنمنٹ عیسائی کو صرف مذہب
 عیسائی کی علامت تصدیق کرنی چاہیئے اور اوان نان کان فاسٹ
 فرقہ ولایت سے بحث کرنی پڑتی ہے جو ہمارے پادریوں کے
 اخراجات پر لگتے ہیں اور جو پادریوں کا ہندوستان کے سرکاری

یہی ہے کہ ان کثیر زبردست مذاہب کے اغراض و مقاصد کو
 خاص کو جو باہم ایسے مختلف حیثیت و تناقض المزاج ہیں ملحوظ اور مری
 سکے بلکہ یورپ اور ایشیا کے معتقدین مذہب کے سامنے اپنا طریقہ
 عمل پیش کرنا اور ہر دو غلط سم کے مذہبی تعصبات کو ملحوظ رکھنا پڑتا
 ہے پس اس صورت میں ہم انگریز متناقض سیاستوں سے ناپے جاتے
 ہیں اور مختلف ترانہ و دن کے تو لے جاتے ہیں ہند میں بکولپنے
 طریقہ عمل کے وجوہات برہمنوں اور بت شکن مسلمانوں کو جو اپنا
 عقیدہ مذہب سیف و سنان کی پاک بنیاد پر قائم کیے ہوئے ہیں
 بتلانے پڑتے ہیں ادنیٰ بت پرستانوں کے عقیدے کی ذمہ داری روٹی
 میں عمدہ معلوم ہونا پڑتا ہے اور یہ ہوسلج کے روئے ضمیر عقیدہ و حد
 کو بھی خوش رکھنا پڑتا ہے ساتھ ہی اسکے ادنیٰ پر ہوش پادریوں
 کی سوسائٹیز کو جو اب دنیا و سر ہی جکا یہ مقولہ ہے کہ جملہ معاملات اوقاف
 وغیرہ اقوام غیر عیسائی سے منقطع کر کے گورنمنٹ عیسائی کو صرف مذہب
 عیسائی کی علامت تصدیق کرنی چاہیئے اور اوان نان کان فاسٹ
 فرقہ ولایت سے بحث کرنی پڑتی ہے جو ہمارے پادریوں کے
 اخراجات پر لگتے ہیں اور جو پادریوں کا ہندوستان کے سرکاری

خزانہ سے روپیہ پانا پسند نہیں کرتے سینہ باضیہ میں جو مختلف ارتوی
 ذوق و شوق معاملات ہند کے بارے میں ولایت میں پیدا ہو گیا ہے
 اوس سے اہل انگلستان کو عموماً نیم ذہنیت ہندوستان سے ہو گئی
 ہے جسکو ایک غلط بحث اور خیالات کا کہنا چاہیے مذہب کے مثل
 عموماً دھچپ مضمون کے باب میں دونوں شرقی اور غربی طریقہ خیالات
 کی سرحد پر واقع ہیں مثل مشہور ہے کہ ادھورا علم باعث خدشہ ہوا کرتا ہے
 (نیم حکیم فطرہ جان و نیم ملا خطہ ایمان) اور غالباً ایسا وقت محفوظ اور
 نہ موثر ہو سکتا ہے جبکہ یہ پارلیمنٹ کی جنگ میں بطور گولہ اور بارود کے
 استعمال کیا جاوے یا جس سے نظائر ہند کی بنا پر ولایت میں کسی جابج
 خاص کو اپنی تدبیر کی تائید کا ذریعہ ہووے یا جس سے اوس رائج
 اور عام پسند ملی معاملات کے متعلق لٹریچر میں حیرت انگیزی کی قوت
 پیدا ہو جو پارلیمنٹ سے باہر عوام کے دلوں کو موجودہ حالت سلطنت ہند
 کی طرف متوجہ اور مائل رکھتی ہے تاہم ایسے ایسے نکتہ چینوں کی فرداؤ
 کلیتاً بنوایش ہے کہ گورنمنٹ ایک فعل کو کرے یا دوسرے فعل سے
 باز رہے اور ہر ایک قدم گورنمنٹ کا جو آگے یا پیچھے پڑتا ہے کسی نہ کسی
 نکتہ چین کو عموماً نا پسند ہوتا ہے۔

وہ زمانہ گزر گیا جبکہ گورنمنٹ ہند ایسی متناقض ذمہ داریوں اور

اس سلسلہ
 میں
 ہندوستان
 کی
 تاریخ
 میں
 ایک
 نیا
 باب
 کھلا
 ہے

تھے مذہبی معاملات کے آزادانہ تجارت اور غیر محدود سود کے کو فروغ
 دیا۔ پس ہر قسم کی مذہبی حکمت عملی سے کنارہ کشی کی روایت بالمثل
 ہو گئی اور یہ اصول زمانہ دراز تک برقرار قائم رکھا گیا جبکہ شاہزادگان
 سینڈتان اور مولویان ہند کی رعایت اور امداد کی کمپنی محتاج نہ رہی بلکہ
 انکی اغراض اور معاملات کا تصفیہ کمپنی کے قبضہ اقتدار میں آ گیا۔
 ہماری قوت کو روز افزون ترقی ہوتی گئی تاہم ہلوگ جمیع مذاہب کو
 جنین مذہب عیسوی ہی شامل رہا نہایت مستحکم مصفاہ وغیرہ جانب داری
 کی نظر سے دیکھتے رہے، بمنہ کل مذہبی رسم و رواج کی نسبت استعد
 غیر جانب داری کی کہ او سکو تحفظ تمام مہرعی رکھا۔ ہندوستان
 کے جس کسی رواج یا رسم کو مذہب سے ذرا ہی تعلق تھا او سکو باعزاز
 تمام محفوظ رکھا۔ ہم نے صدق دل سے اوقاف مذہبی میں دست اندازی
 نہیں کی اور نہایت نیک نیتی سے اہل تقویٰ کے روزیے اور وظیفے
 قائم رکھے۔ فی الحقیقت کمپنی نے اون ذمہ داریوں کو بطور و بھیت
 کے قبول کیا۔ جنکے موجد او سکے آگے کے حاکم تھے اور ہر دین و ملت کے
 عطیات مذہبی و خیراتی کا انصرام و انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ہم نے
 ہندوؤں و مسلمانوں و پارسیوں کو اور نیز ملحدوں و مقلدون کو
 جگہات کے مندر کو اور اوس مسلمان کے مزار کو جو کہ کافروں کے ہاشا

گورنر جنرل
 ہندوستان
 کی
 خدمت
 میں
 عرض
 ہے

محنت و زحمت
 میں
 خدمت
 میں
 عرض
 ہے

فوج
نہل
ن
ہلکہ
یا
لو
بی
مد
ن
از
بی
فہ
ن
ن
ن

ہمارے ہی مقابلہ میں شہید ہوا جو بلا اور رعایت رو بہ دیا۔ نظر توجہ
حالات ہمارا یہ طریقہ جس قدر کہ دانشمندی اور عاقبت ازیشی کا تھا
اویسی قدر عام پسند بھی تھا کیونکہ کسی گورنمنٹ سابقہ مذہبی برتاؤ
میں ایسا کامل اعتدال مرعی نہیں رکھتا۔ مسلمانوں نے مذہبی جوش
کی امنگ میں غیر قوم پر ہمیشہ ظلم و تعدی کی۔ مرہٹوں نے اوقات
اسلامیہ پر بہاری ٹیکس لگایا اور جبکہ سرکاری خزانہ خالی ہوا تو انہوں
نے بعض اوقات ان اوقات کو ضبط بھی کر لیا اقل درجہ جو ایک دوسرے
کے بعد حکمران رہے انہوں نے اپنے مذہب کی خدمات کے لئے
خاص اور کافی سامان و بندوبست کیا تھا اور دوسرے مذہب کے
لئے فائدہ و نادر اور یہ طریقہ حکمران فاتح کا محض حق ہی نہیں تصور ہوا بلکہ
عین فرض سمجھا گیا جو اس بات پر مبنی تھا کہ فلاں مسائل مذہبی کی کشت
یا فلاں دیوتاؤں کی مانتا کی زنی اوس فاتح پر لازم تھی برخلاف
اسکے جن محافظ دیوتاؤں کے منائے اور خوش کرنے کی پروا نہ تھی
تھی وہ ولایت ذمی رتبہ و ذمی اقتدار مجسم الشان تھے اور ہندوستان
میں کہنی کے مغز افسروں کو دین عیسوی سے کسی قسم کے پوشیدگی
تعلق رکھنے میں اس قدر احتیاط تھی کہ بعض اوقات وہ لاد مذہب کے شہر ہوتے
تھے۔ پس یہ نتیجہ طور میں آیا کہ گو مذہب ہندو یا اسلام کی تائید میں معقول

اوقاف و کثیر التعداد وظائف مقرر ہوتے تھے جب کہیں کہ ہندوستان
 غالب آتے تھے۔ لیکن اس عجیبہ نیرنگی زمانہ سے جسے عیسائیوں کو
 ہندوستان میں درجہ اعلیٰ پہنچا دیا مذہب عیسائیوں کو کچھ بھی فائدہ
 نہ پہنچا اور یہ پہلا مرتبہ تھا کہ ہندوستان کے وسیع صوبجات کی دولت کا
 انتظام ایسے حکمرانوں کے ہاتھ میں آیا جنہوں نے باستان سے چند
 قلیل التعداد تختا ہوں کے کوئی حصہ اوس دولت کا اوس مذہب کی تائید
 میں صرف کر نیکی کیلئے ذرا بھی میلان خاطر ظاہر نہ کیا جس مذہب کے کہ
 وہ خود پیرو تھے نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ ہندوستانی عیسائیوں کی حالت اور
 دیگر مذہبی جماعتوں کی حالت میں جنگا تواریخ میں ذکر ہے صریح اور بین
 فرق ظاہر ہوا کہ فرق زیادہ تر تعجب انگیز اور موثر اسوجہ سے تھا کہ تمام
 اختیارات مالی و ملکی ادنیٰ لوگوں کو حاصل تھے جنکے مذہب کی تائید کے
 کچھ عطیات و وظائف نہ تھے اور لطف یہ کہ جو اقوام سلطنت سے
 مغزول اور مغلوب ہو گئیں اونسکے قبضہ میں بڑے بڑے مذہبی اوقاف
 تھے سلطنت کے بڑے بڑے عہد و پیر عیسائی مامور تھے جنکو کثیر التعداد
 مالگذاری پہلا کسی جوابدہی کے غیر محدود اختیار حاصل تھے الٰہ مذہب
 عیسائی ایسا ہی لاچار اور ضعیف حالت میں تھا جیسا کہ اوس اوائل زمانہ
 میں جبکہ سلطنت روم اسکے علار و ملک کے درمیان میں اوسکو اپنی جان

۱۸۲۴ء میں شائع ہوئی تھی رقم طراز ہیں کہ میرے زمانہ میں
پندرہ سو گرجا عیسائی اور اسی قدر قریہ و دیہات مالک کو چین اور
ٹراونکور میں اسی فرقہ کے موجود تھے۔ اسی بی ڈوبائی صاحب
نے اپنی شہادت میں جو اونہون نے جوس آف کامٹس میں
دی بیان کیا کہ ۱۸۹۲ء میں عیسائیوں میں کیتھولک کی تعداد
جنوبی حصہ ہند میں تھینا دس لاکھ سے زیادہ تھی لیکن گذشتہ اسی برس
میں مذہب عیسوی صریحاً حالت تنزل میں آتا گیا ہے اور نسبت
اونکی حالت کے جو ۱۸۲۴ء میں تھی جس سال میں کہ ڈوبائی صاحب
نے شہادت دی صاحب موصوف یون فرماتے ہیں کہ ہندوستانی
عیسائیوں کی قرار واقعی ترقی اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ اونکے
غذیبی ہادی اوس افلاس اور فقیری کی حالت سے جس میں وہ عموماً
بسر کر رہے ہیں نکالے جاویں کیونکہ بیشتر اونہیں بے کچھ استطاعت
اپنی پرورش کے سوائے قلیل بضاعت اپنے مفولک متابعین
کے نہیں کہتے جو خود نہایت غریب ہیں اور اونکے مذہب کے پادری
جب ایسے غریب ہو گئے کہ اپنی ضروریات کے مہیا کرنے کے واسطے
اپنے مذہبی تبرکات (سیکسٹ) کے بدرجہ ناگزیر لاچاری و حالت
پاس کے ایک قسم کی تجارت کرنے لگے اور اپنے تین خجاری

۱۸۲۴ء میں شائع ہوئی تھی رقم طراز ہیں کہ میرے زمانہ میں

کی حالت میں ڈال دیا۔ صاحب موصوف نے یہ تجویز کیا کہ پادری
لوگ افلاس کے مصائب سے انس طرح بچائے جا دیں کہ شب
کی تنخواہ ساٹھ پونڈ یعنی چھ سو روپیہ سالانہ مقرر کر دی جائے اور نیز
تنخواہ پادریوں کی اسی مناسبت سے مقرر کیا دے۔ ۱۲۳۷ء تک
ہمارے ہی قوانین نے ہندوستانی عیسائیوں کو سخت سبیل ناتاہلیتوں کا
پابند کیا ان قوانین نے مذہبی معاملات میں اس تعصب اور نفست
یا ضابطہ اختیار کیا اور ان کا باقاعدہ اجرا کیا جو اس وقت تک بے ترتیب
اور غیر مستقل طور پر مروج تھے۔ ہندوستانی عیسائی پیشہ وکالت
دفاتر و محکمات سرکاری سے خارج کر دیئے گئے تاکہ ان کے
قطعی اخراج کا دعویٰ ہندوؤں یا مسلمانوں نے کبھی پیش نہیں کیا
اور نو مقلدان مذہب عیسائی بوجہ تبدیل کرنے اپنے اصلی مذہب کے
مستوجب پناہ لے اپنی جا یا دہی کے تھے بلکہ اپنی عورتوں اور بچوں
بھی محروم کیے جاتے تھے اور ظاہر اودن سے مثل کبخت خارج شدہ
لوگوں کے عموماً برتاؤ کیا جاتا تھا جن کے ساتھ کوئی شخص کسی قسم کی
اعانت کرنے کے لیے تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں سمجھتا گوشت
برطانیہ نے اپنے خاص ملازمین کے لیے چند پادری مقرر کیے تھے
لیکن مغربی ہندوستان میں ان پادریوں کی سطح عام نہیں

۲
۱۲۳۷ء تک

سال میں کہ گلکٹہ کے لارڈ پادری کی عمدہ قائم ہوا ایسی خراب حالت
 تھی کہ وہ ہماری قومی تدبیر کے باعث بیان کیے گئے۔ برسوں تک
 ہمارے عہد حکومت میں احاطہ بھٹی میں صرف ایک انگریزی گرجا تاجو
 ۱۸۴۱ء میں بمبئی میں تعمیر ہوا اور سو برس بعد ہندوستان کے کل
 پریسٹون کے لیے ایک ہشپ اور انیس پریسٹون کل احاطہ بنگال کے
 لیے اور ایک اسکچ پادری (ایک ایسی کفایت شکاری کی اعانت جس پر انہو
 کثیر اسکچ ہندوستان میں بہر اقلع رہا) ہر ایک پریسٹون کے
 لیے مقرر ہوئے لوکل گورنمنٹوں کو بھی مشکل تمام اجازت تعمیر کرنے
 "چند کم قیمت گرجوں کے" ملی لیکن یہ کہا گیا کہ مذہب رومن کیتھولک
 کے پیروں نے سرکاری خزانہ کی امداد کے بغیر اپنے گرجے بنائے
 اور سرکاری مالگزاری کی بچت کرنے کی وجہ سے فرقہ پرستوں کے
 مقلدون کو شرمادیا۔ یہ صاف ظاہر نہیں ہے کہ اون عیسائی جماعتوں
 کی کسی قسم کی اعانت یا امداد رکھی گئی جو کہ ملک ہندوستان کے
 باشندہ تھیں ۱۸۳۳ء میں اون کی نسبت یہ بیان کیا گیا کہ وہ انیسویں
 کے قابل ضعف اعتقاد اور ذلت کی حالت میں تھیں، خصوصاً جزیرہ
 سالٹ میں جو بمبئی کے قریب ہے اور ۱۸۳۷ء سے دولت برطانیہ کے
 قبضہ اقتدار میں تھا۔ لیکن ایسے زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے

۲
 انگریزوں کی
 "بمبئی میں
 اور
 ہندوستان میں
 ہندوؤں کے
 عیسائی جماعتوں
 کی اعانت
 کی بچت
 کرنے کی
 وجہ سے
 فرقہ پرستوں
 کے مقلدون
 کو شرمادیا۔
 یہ صاف
 ظاہر نہیں
 ہے کہ اون
 عیسائی
 جماعتوں
 کی کسی
 قسم کی
 اعانت
 یا امداد
 رکھی گئی
 جو کہ ملک
 ہندوستان
 کے
 باشندہ
 تھیں
 ۱۸۳۳ء
 میں اون
 کی نسبت
 یہ بیان
 کیا گیا
 کہ وہ
 انیسویں
 کے قابل
 ضعف
 اعتقاد
 اور ذلت
 کی حالت
 میں تھیں
 خصوصاً
 جزیرہ
 سالٹ میں
 جو بمبئی
 کے قریب
 ہے اور
 ۱۸۳۷ء
 سے دولت
 برطانیہ
 کے قبضہ
 اقتدار
 میں تھا۔
 لیکن
 ایسے
 زمانہ
 میں
 ہندوؤں
 اور
 مسلمانوں
 کے

معاہدہ اور مذہبی مراسم کا نہایت احتیاط اور ادب کے ساتھ سمجھا گیا
 جانا تھا تاکہ اونکی ایسی ہی توقیر ہو جیسی کہ ہندوستانیوں کے
 حکومت میں ہوتی تھی۔ مزدون اور مورقون کے فوجی اور ملکی مراکم
 و اعزاز حسب معمول ادا کیے جاتے تھے جب دستور قدیم ضلع کے
 مجسٹریٹ ایک مشہور کی رتہ کے کھینچنے کے لیے بیگار کھڑے
 تھے اور اس عام بیگار میں عیسائیوں کو بھی بری کرنے سے انکار
 کرتے تھے ہم یعنی انگریز جاہد ان موافقہ کا انتظام کرتے تھے اور
 اونکا منافع خالص پوجاریوں یا ستولیوں کے حوالہ کرتے تھے
 غرضکہ اس انتظام کے جزویات تک میں ہمارا دخل تھا آمدنی خرچ کا
 انتظام کرتے تھے عمارتوں کی مرمت کرتے تھے اور رتھوں اور
 مورقون کو درست رکھتے تھے اونکے ملازموں کو مقرر کرتے تھے اور
 تمام شہر کو چاکر کرتے جنکی مندروں کے خرچ کے لیے ضرورت پڑتی
 تھی۔ بہر حال یہ تمام امور صرف ظاہری برتاؤ سے متعلق تھے جسے
 کچھ نقصان نہ تھا اور جنکو اقتطان ملکی اسی طور سے تسلیم کرتے تھے
 جس طرح کہ قانون کی عدالتیں بت پرستی کے مہم کی سماعت اور
 تصفیہ کرتی ہیں لیکن علاوہ اسکے اور مقصدانہ دستور نے جو عیسائی
 اخلاق اور مذہب کے ابتدائی اصول کے موافق یہی طور سے

یہاں تک کہ
 یہاں تک کہ

قابل اعتراض تھے لیکن اولیٰ نیت کی وجہ سے مذہبی رائے کے لحاظ سے معمولی قانون تعزیری کے احاطہ سے خارج کیے گئے تھے۔ عرصہ دراز تک ان دستورات میں دست اندازی کرنے پر ایٹ انڈیا پنی پیس و پیش کرتی رہی اور یہ احترام مسئلہ ٹارلشن کے اوس منزل کے موافق تھا جس پر ہماری گورنمنٹ اوسوقت پہنچی تھی کیونکہ جب تک کہ ایک جداگانہ فرقہ یا گروہ کے قوانین اوسکے مذہب پر مبنی اور منحصر ہوتے ہیں اوسوقت اوس فرقہ یا گروہ کے قوانین بجائے ملکی ہونے کے شخصی ہوتے ہیں، اوسو ساطعی کی ایسی حالت میں گورنمنٹ عموماً کسی ایسے فعل میں جو اوس شخص کے پیرائشی مذہب کے موافق روا ہو دست اندازی کرنے سے باز رہتی ہے۔ الا اوس صورت میں نہیں جب کہ اوس فعل سے خود سلاطنت کو خطرہ ہو۔ اور مختلف زرد اور قوموں یا قومی مذہبی گروہوں کے محتاط حکمرانوں میں ان اصولوں کا پسند کیا جاتا تمام دنیا بھر میں دو وجوہ یعنی کمزوری اور حکیمانہ غیر جانبداری مبنی ہے۔

بہر حال لندن یورپین سرکاروں نے (بینی افسران نے) جو یورپ کی برائیت کے موافق ہندوستان میں حکمرانی کرتے تھے جلد پریشا دریافت کر لی (اور بعض مقسوں کے لیے یہ جرات اور ملکی دورانی

کی بات تھی کہ متصل اور غیر مشتبہ گورنمنٹ کے معنی کی نسبت یہ پہلا
 وقیانوسی خیال غیر کافی اور نامکمل ثابت وہ سچیدہ سوال پیدا ہوا
 جسکی وجہ سے تمام عیسائیوں کو مختلف صورتوں اور درجوں میں ان
 وقت سے دفعتاً پیش آئی ہے جب سے ہم نے غیر متصل اور متصلاً
 اچھے پڑانے قاعدے اور سیدھے سادے طریقہ کو چھوڑ دیا ہے اور
 جسکی وجہ سے لندن اسکول بورڈ کو بھی اصولوں کے مہاشے کے
 اوائل میں تکلیف ہوئی تھی وہ سوال یہ ہے اوس چیز کی نسبت روا
 رکھنے کا برتاؤ ہم پر کیا تک لازم ہے جسکے بطلان کی نسبت ہم کو
 یقین واثق ہے وہ نہایت استثنائی صورتیں جو یورپ میں کھلی
 انتظامی سلیزم کے لغو ثابت کرنے کے لئے فرضاً پیش کی تھیں بطور
 اصلی واقعات کے ہندوستان کے حکمرانوں کے سامنے پیش آئیں
 جسکو کہ واقعی طور سے فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ کیا دوسری استغورت کی
 پرستش سوار کہی جائے اور ان غیر مستورات کے جاری رکھنے
 کی اجازت دیجاوے چونکی سے کچھ کم و بیشاں تھے۔ یہاں تک
 قبل کہ ۱۹۲۷ء میں مسٹر گرانٹ نے اپنی کتاب موسومہ ایشیائی ہوسٹائی
 کی حالت کے ریویو میں گورنمنٹ سے یہ سوال کیا کہ کیا طریقہ ہو
 تمام عیوب و گناہوں کا قائم رکھنا ہم پر فرض ہے کیا ہم مذہب ہندو

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

ہر خراب اصول اور رسم کے محافظ اور ولی بن گئے ہیں۔ تاہم بتدریج
 گورنمنٹ کو استفادہ بہت ہوئی کہ ان سوالوں کا جواب صاف نفی میں
 دیوے لارڈ ولسلی کے عہد میں جانوروں کو کھلا دینے کی غرض سے
 بچوں اور بڑے والدینوں کو جنگل میں چوڑ دینے کی یا ہو گلی میں ڈبک
 مریض کی مکر وہ رسم خلاف قانون قرار دی گئی اور جبر و فریب کی ضیٹ
 کا رد وانی سے پواؤں کو آگ میں ڈال دینے کی رسم ۱۸۶۵ء تک روا
 رہی جبکہ لارڈ ولسلی تک بے کچھ نہیں پیش اور بہت سے عدالت
 کے عدالتوں کو یہی خلاف قانون قرار دیا۔ یہ اور نیز اسی قسم کی خاذا انی
 رسوم مثلاً (غلامی اور خودکشی وغیرہ) بتدریج اسوجہ سے ناجائز قرار
 دی گئیں کہ غلام دنیا میں ہر مذہبی قانون اور اخلاق کا طریقہ ان غلطیہ
 باتفاق رائے معترض ہے اور یہ کہ سچے مذہبی عقائد کو بھی ایسی
 صدور تو نہیں کسی قسم کے پولس کی پابندی ضرور ہے گو یہ خلاف کے
 صرف ذاتی حفاظت کے لیے ہی کیوں ہو یہاں تک تو گورنمنٹ مضبوط
 زمین پر کھیت قدم نہ رکھتی تھی کیونکہ عیسائی اور مسلمانوں نے توبہ بات
 ہند کی اور کچھ شکایت کے بعد سندوہی اس بات پر راضی ہوئے کہ کلاں
 کی ایک بدیہی اچھی حد قائم کی جائے اور وہ افعال اس حد سے خارج
 ہوں جو صریحاً انسانیت کے خلاف ہیں گو معلوم ہوتا ہے کہ صحیح شکل

لارڈ ولسلی
 جسد ملک
 گورنمنٹ
 قانون
 اس لارڈ
 میں ۱۸۶۵ء
 کی قانون

ٹکس لگایا جائے اور عیسائیوں پر رسول ناقابلین عالم کجیائیں پس
 ۱۸۳۲ء میں گورنمنٹ نے یہاں تک کارروائی کی کہ ایک قانون نافذ
 کیا جسے اون شخصوں کو جو اپنا مذہب تبدیل کر دیں اور جو تبدیل نہ
 کی وجہ سے محروم الارث ہو جاتے تھے نقصان جایداد سے محفوظ
 کیا۔ یہ قانون علم تھا گو کہ اس کا مقصد خاص نو عیسائیوں کی تسکین
 تھی تاہم ہندوؤں نے فی الواقع اس قانون کے خلاف یہ غل مچایا کہ
 اس قانون کا نفاذ اس بے طرفداری کے صریح خلاف تھا جس کا ان کا
 گورنمنٹ اس قدر احتیاط سے کرتی تھی گو یہ بات مشہور ہے کہ مسلمان
 اپنے عہد حکومت میں نو مسلموں کو صرف نقصان ہی سے محفوظ نہیں
 رکھتے تھے بلکہ ان کو انعام و اکرام بھی دیتے تھے بہرہ بیچ اس وقت سے
 انگیزیوں کی اس غم بھی اس کے دباؤ کا اثر ہماری انتظامی حکمت
 عملی پر صاف طور سے پڑنے لگا جس کے بیشتر منتظم اور مادی پادریوں کے
 جلسوں کی روز افزوں ترقی پذیر فورت تھی عیسائیوں اور غیر ہندوؤں
 مسلمانوں کے مذہبی عقائد معرض بحث میں آئے اور خوب طور سے ظاہر
 کیے گئے تھے اور بعض اوقات ان مخالفت ہواؤں کے ہر کون سے
 عجیب اختلافات پیدا ہوئے مثلاً ۱۸۳۲ء میں گورنمنٹ نے سب
 معمول اس امام باڑہ کی مرمت کی خواہش ظاہر کی (جو اس نے پہلی بار

علی گڑھ میں
 ۱۸۳۲ء میں
 بیان شدہ
 سن ۱۸۳۲ء

سے
 میں
 حکم
 امام
 حکم
 اور
 کر
 اکابر
 نہ کہ
 نما
 ہو
 جو
 کہ

سے متعلق ہے جسکے حال کے انتظام کی نسبت ڈاکٹر ہنٹر کی رائے
 میں بہتر ذیدہ و دانستہ بد نظمی و تغلب کا الزام لگایا گیا ہے ایک معمولی
 حکم کلکتہ کے بورڈ آف ریونیو کے پاس اس غرض سے بھیجا گیا کہ اس
 اہام بارہ کی مرمت کے لیے تھیکہ کی درخواستیں طلب کیجاوین اس
 حکم پر ایک ممبر نے یہ رائے تحریر کی "بھگو نہایت بچ ہے کہ گورنمنٹ
 ایسے احکام بھیجتی ہے جنکی تعمیل میں اپنی روح کو بغیر صد مہینے میں
 کر سکتا میں ادب لیکن نہایت سچائی کے ساتھ تمجی ہوں کہ مجھ سے
 ایک ایسے معاہدے کے قائم رکھنے اور سجانے کا فریضہ بننے کی خواہش
 نہ کیجاوے جس میں ہر طریقہ پیش مرعی ہے جسکو میں صدق دل سے
 سچے خدا کی عبادت کا طریقہ خیال نہیں کرتا میں یہ جانتا ہوں کہ یہ کام
 نہایت آسانی سے تعمیل ہو سکتا ہے جسکے کرنے کی مجھے ہر ایتھنی
 ہے اور یہ ہی کہ غالباً اس میں بورڈ کو نہایت ہی کم دست اندازی کی ضرورت
 ہوگی لیکن یہ کئی اور بیشی وقت کی بحث نہیں ہے میرا اعتراض تو اس پر
 ہے میری رائے میں اس راہ میں ذیدہ و دانستہ ایک قدم نہ کرنا جو
 حق کے مخالف ہو ایک جرم کبیر ہے یہ اقتباس اور مشکل مالتون
 کی ایک نظیر ہے جس میں گورنمنٹ بعض اوقات اپنے تین پاں توئی ایک
 جانب تو ایسک سلم فرض تھا کہ ہم حسب دستور درواج فرمانروایان

سابق اور توقعات رعایا کے اس ملک کے بڑے مذہبی اوقاف کی تحریک
 کرین اور برقرار رکھیں اور نیز غلط طوفان خیز جبین ہم ایسے فرض کی
 نسبت صحیح غفلت کرنے کی وجہ سے غالباً گر پڑتے۔ دوسری جانب
 سچے عیسائیوں کا گرمجوش اور روز افزون فرقہ تہاجر و زید پور ڈالتا
 کہ جو نئے مذہبوں کی کسی قسم کی اعانت شیطان کے ساتھ سازش
 اور سچے مذہب کے برخلاف جرم ہے اور یہ کہ ایسے معاملہ میں اونکے
 دوسرے بھی اسی قدر قابلِ محاط تھے جیسے کہ خیالات خام ہندوؤں
 کے یا سخت متفرقہ نگاہی مسلمانوں کی جانب سے ہوا کرتا ہے اور یہ کہ
 اب عیسائیوں سے یہ نکمہ جاوے کہ وہ ضنائیا بطور استعارہ کے بھی
 جگناتہ کار تہہ کہنچیں اور یہ کہ جب ایک عیسائی گرجا بے مرست ہو تو
 اوسکے ڈھادینے کا حکم جاری کیا گیا اور سجدوں کی تعمیر کے واسطے
 ہوشیار مسلمان مقرر کیے گئے اور یہ کہ اس قسم کی حکمت عملی سے
 ہندوستان میں کی نگاہ نہیں ہماری بزدلی ثابت ہوتی تھی۔ زمانہ حال
 میں اس نقطہ میں سے نکلیا جسکے لیے صرف ایک راہ ہے جسکو ہمیشہ
 وہ گورنمنٹ اختیار کرتی ہیں جو ہمہ اور قریب فریقوں سے چاروں
 طرف گہر جاتے اور اُسکے پیچھے ڈکھائی جائیں یعنی کہ ایسی حکومت تمام مذہبی
 سے دور رہا کے اور دینی انتظام کے محفوظ بندر گاہ میں لگا کر اسے

اور وہ جماعتیں جنکے پاس دولت و قوت نہیں ہے قدرتی طور سے پھوٹا کر فی مین کہ گورنٹ کو ایسے ہی نالے میں کھدیر لھا دیں کیونکہ اون کو اس سے زیادہ عمدہ سودے پر مجبور کرنے کی امید نہیں ہوتی ہے۔ وہ یہ تو امید کر رہی نہیں سکتیں کہ اونکے لئے مذہبی مادیوں کی جماعت و گرجا سرکاری خزانہ کے امداد سے گورنٹ قائم کر لگی کیونکہ وہ یقیناً ایسی جماعتوں کے تقرر کی مخالفت بالاصول کرتے ہیں لیکن وہ یہ درخواست کر سکتی ہیں کہ مذہبی مادیوں کی جماعت و گرجے کے شاہی خزانہ سے امداد کرنے سے گورنٹ باز رہے اگرچہ اونکے اوقات قطعی طور پر ضبط نہیں کر سکتی۔ وہ منطقی طور سے یہ تجویز نہیں کر سکتیں کہ ہزار لیول اونچا کر دیا جاوے لیکن وہ منقول طور سے موجودہ مذہبی مادیوں کی جماعتوں کے لیول گٹھا دینے کے لئے واویلا کر سکتی ہیں۔ اور زمانہ حال کی گورنٹ کی بے طرہ مادی اور خالص بیجا بنداری کا دم ہرنے سے یہ دعوی پیدا ہوتا ہے کہ اوسکا یہ اصول سب کے واسطے کیساں طور پر کام میں لایا جاوے۔ یہ جل اس مشکل کا جو انگلستان میں اسید اور ترقی سے پڑے خوبی قدر سے بند و ستائیں کسی قدر پیش از وقت ہے کیونکہ ہندوستان کے مراسم اور وہاں کی رعایا کے تصبات کی وجہ سے اس اصول کا کسی قدر اونکمارنگ نظر آتا ہے کہ کسی خاص مذہبی واسطے کے

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

اظہار یا تائید سے گورنمنٹ قطعی اجتر از کرے جسے پیشتر کی گورنمنٹوں کو
 اس خاص قسم کی مشکل سے اقل درجہ آزادی تھی کیونکہ مذہبی حکمت علی
 اوس قدیم نمونہ پر تھی کہ جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اپنے ہی مذہب کے واسطے
 اور غیر مذاہب (سوائے اُن صورتوں کے جبکہ وقتاً فوقتاً مذہبی جہاد کا
 جو ش ظاہر ہوتا تھا) علحدہ چوڑی دیوین۔ لیکن پادری انگریزی گورنمنٹ
 سے عاجزی سے یہ کہتے تھے ”ہم آپ سے یہ خواہش نہیں کرتے کہ آپ
 مذہب عیسوی کی تائید کریں۔ اگر آپ موافق ہمارے خیال کے لا مذہب
 بنتے ہیں تو اپنے اصول پر قائم رہیے۔ اور کسی اور مذہب کے محتال یا نظم
 نہ بنیے۔“ ان مختلف وجوہات سے ہماری گورنمنٹ نے ہندوستان میں
 وہی بات اختیار کی جو ہر حکمران جماعت ایسی حالت میں آخر کار اختیار
 کرتی یعنی گورنمنٹ نے مذہبی دفعوں سے صریح تعلق قطع کر دیا ارادہ
 کر لیا اور یہ توقع کی کہ اس سے تمام فریق خوش ہو گئے اور گورنمنٹ
 مذہبی نزاع کے جھگڑوں سے علحدہ رہیگی اس قطع تعلق کے اصولی
 پابندی ہندوستان کی گورنمنٹ پر انگلستان کی گورنمنٹ نے عائد کی
 کیونکہ آخر الذکر کی رائے میں یہ اصول ایک عیسائی گورنمنٹ کی حیثیت اور
 اور اسکے عیسائی افسروں کے مذہبی خیالات کے مطابق تھا۔ اور
 ہندوستان کی کونسل نے ولایت کو یہ رپورٹ بھیجی تھی

تدابیر زیر تعمیل ہیں جنکو کوٹ آف ڈائریکٹرس نے بالکل پسند کیا۔
 لیکن ہندوستان کی مختلف مذہبی جماعتوں کی ایسی وسیع
 مقبوضات کا جو شاید نسلاً بعد نسل مختلف گورنمنٹوں کے خاص اور
 قومی اہتمام میں تھے ذمہ دار متمم یا متولیوں کو سپرد کرنا ایک
 کارروائی بڑی اور سنجیدہ معاملوں سے پرتھی اور اس کے
 عملدرآمد میں بہت سی دشمنیاں اور بہت سا توقف حائل تھا ایسے
 بہت سے وقفوں کے متمم دسر بیچتے اور جبکہ سر بیچ ملے وہ
 بعض اوقات ناقابل یا اعتبار کے لائق نہ تھے۔ بہت سی جاہلاد
 اراضی کے انتقال کی ضرورت تھی اور ان کے مالکوں کا آسانی
 سے پتہ ہی نہ لگ سکتا تھا اور علاوہ اسکے کاشتکاروں کے
 حقوق کی حفاظت ضرورت تھی۔ مذہبی فنڈوں کا کثیر التعداد زرفیہ
 سرکاری خزانوں میں جمع تھا اور اس قدر بڑی تعداد کا نقد روپیہ
 مندروں یا مٹھوں کے حوالہ کرنا گویا ایسا اوقات پاک اور فقیرانہ
 جماعتوں کو نقصان پہنچا دینا اور عیاشی پر مجبور کرنا تھا۔ کیونکہ ان کو اس قدر
 روپیہ کا کسی نفع کے کام میں لگانے کا سلیقہ نہ تھا اور نہ کوئی ایسا
 جائز مقاصد تھے کہ چنبرہ اس قدر روپیہ کا ایک خرچ کر دالا جائے
 بہ حال گورنمنٹ مستقل رہی اور اس وقت تک برابر کوشش لگتی

تھی جب تک کہ تمام سلطنت کے اضلاع کے افسروں کی جانفشانی
کی اور مقامی واقفیت کی وجہ سے اراضی وقف اور وظیفہ نکال
بندوبست اور شخصی اہتمام یا جماعت کے سپرد کرنے کی تدابیر
کم و بیش خاطر خواہ تکمیل پا گئیں۔

تاہم گورنمنٹ کو جلد معلوم ہو گیا کہ ان تدابیر سے سب فرقوں
کی مذہبی خواہشوں کی تشفی حاصل نہ ہوئی اور گورنمنٹ اپنی مذہبی ذمہ داریوں کو
جدا کرنے کے قابل نہ ہوئی کیونکہ ہندوستانی رعایا کے چند گروہوں
نے دونوں ہندو مسلمانوں کے یہ شکایت شروع کی کہ انگریزی گورنمنٹ
نے اس ملک کے وقفوں کے اہتمام کے انکار کرنے سے اپنا ایک
ضروری فرض حکومت ترک کر دیا کیونکہ ہندوستانی حکمرانوں کے
زمانہ قدیم سے دستور کے موافق یہ ذمہ داری تھی کہ وہ جاہلادونوں کا
اہتمام کریں اور یہ کہ علاوہ سرکار کے اور کوئی محافظ یا امین نہیں
مل سکتا جو ایماندار اور نیز قابل اعتبار ہی ہو۔ اور یہ کہ حقیت کی نسبت
بہت ابتری اور سرمایہ کے استعمال کے یا اراضی کے حقوق کے
بارے میں متواتر جھگڑے تھے اور گورنمنٹ نے لاپرواہی سے
اور اس غرض سے کہ قانون کی تاخیر سے غیر سیاسی مذہب متبادہوں
ان جھگڑوں کو عدالت ہاے دیوانی کے سپرد کیا بجائے اسکے

کہ اپنے قدیم حق اور اپنے صاف فرض کے موافق اس کا خوف فیصلہ
 کر دیتی اس درمیان میں وہ فریق جنگی راہوں کو عیسائی پادری پیش
 کرتے تھے اپنے فائدے کو دوسری طرف سے پکا کر رہے تھے۔
 اب گورنٹ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ جو بڑے مذاہب کی عمارتوں
 یا غیر عیسائی تعصبات کی ایجنٹ اور افسر نہ بنیں گی۔ لیکن ایک سالانہ
 رقوم کثیر (جو ہم سے پیشتر کے حکام کی عطیات تھیں) مورتن اور بٹل
 یا کافرون کی رسموں کی تائید میں برکارمی خزانہ سے بارہ لاکھ روپے
 انہوں نے آئریل کمپنی کو التجا کے ساتھ یہ یاد دلائی کہ بت پرستی
 صرف بنی نوع انسان کے حق میں نہ رہی نہیں ہے بلکہ اس کی
 ضرر کا یا ضمناً تائید یا اعداؤ خدا کے کلام میں خدا کے برخلاف ایک
 سخت جرم ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ بڑا مقدمہ نظیراً جس پر فریقین نے
 حصر کیا اور حسین گورنٹ کی کارروائی پر ہندو اور عیسائی نہایت
 بے طرفداری سے اعتراض کرتے تھے جگنا تم کے مشہور مندر کا
 مقدمہ تکیوں نہ صوبہ کنگ کے (جس میں کہ یہ مندر واقع ہے) احاق
 کے وقت جگنا تم کی حفاظت کا برٹش فاتحوں نے اقرار صالح کیا تھا
 اور اس وعدہ کے ایفا کے واسطے برہمنوں کو ہذریہ حوالہ کرنے
 محال چند قطعات اراضی کے ایک سالانہ رقم کثیر دیا جاتا تھا۔

نانی
 نکا
 میر

یوں
 ابرو کو
 یوں
 نہت
 کور
 ایک
 کے
 ہوکا
 یوں
 بت
 لے
 سے
 جان
 لے

میں یہ تجویز کی گئی کہ بالعوض اسکے کچھ اراضی بطور عطیہ دوامی کے
 اونکو دیا جاوے۔ اس تجویز پر پنچال کے ایک اعلیٰ افسر نے "یونٹ"
 لکھا کہ یہ صرف اون عیسائیوں کی چال تھی جو براے نام عیسائی تھے
 اور حقیقت میں ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے تھے لیکن اسکے ساتھ
 ہی اپنے تئیں عیسائیوں کی لعنت ملائت سے اس طور پر محفوظ کرنا
 چاہتے تھے کہ دوامی وقف کے حیلہ سے اپنی نذر مورت کو چڑھائیں
 بجائے اسکے کہ سالانہ رقم ادا کرنے کی ذلت اونہائیں لیکن آخر کو
 اس تجویز کی یہ بہو ٹھی صورت قائم نہ رہی کیونکہ کچھ اراضی متعلقہ مندر
 بطور مانت ایک موروثی متولی کے سپرد کی گئی لیکن کورٹ آف ڈائریکٹرز
 نے منع کر دیا کہ بڑے تھوار زمین پولس انتظام کے لئے مندر
 کے اندر تعینات نہ کیے جاویں اور ساتھ ہی اسکے پارسی ہماری
 بدقسمت گورنمنٹ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ "ہندو بیت پرستی
 کی نہایت خراب صورتوں کو ترقی دیتی ہے اور ایک بڑے
 بت پرست عملہ کی امداد کرتی ہے جس سے دماغی اور اخلاقی خرابیاں
 ہمیشہ کے واسطے جنم لیتی ہیں۔" غرض کہ مائی کرچن فرقہ کو اس لئے
 تشفی نہ ہوئی کہ گورنمنٹ مذہبی سرمایوں کی نگرانی سے کنارہ کش ہو گئی
 ہے۔ او سکی اب یہ فراموش تھی کہ یہ روزیئے بھی سدود کر دے یہ جان

(لیکن یہ نہیں کہ ان کے علاقے ضبط کر لیے جاویں) اور جب یہ
 تجویز کی گئی کہ عطیہ اراضیات کے ذریعے اوقات معینہ پر پورے
 تقسیم کرنے کی بدنامی سے گورنمنٹ پنجی تو اونوں نے یہ طعنے دینا
 شروع کیا کہ اس سے تو ایسی خرابی قائم رہتی اور جڑ پکڑتی ہے جو
 جڑ پیر سے اوکھاڑ ڈالنی چاہیے۔ اسی وقت میں بہت سے ہندوستانی
 یہ غل مچاتے تھے کہ گورنمنٹ اپنے فرائض سے جھکتی ہے ہمارے
 مذہبی اوقات کی نگرانی سے انکار کیا کرتی ہے گویا اونکو اتھری میں
 ڈالی دیتی ہے۔ غیر کافی وجوہات کی بنا پر معمولی عطیات کم کرنے سے
 ہمارے اوقات کو مفلس بناتی ہو اور حقوق اور افق کی پوری پوری تحقیقات
 کے جیلہ سے ہمارے اوقات مذہبی کو ضبط کرتی ہے کیونکہ ان ملک
 کی ایکوٹی اور کامن لاء (یعنی انصاف اور عام قانون) کے موافق
 اب اوقات کے حقوق کی نسبت ایسی تحقیقات نہیں ہو سکتی ہے۔

بعد ازاں مذہبی مانتا بلینڈن کی بحث کی وجہ سے اسی قسم کے
 متناقض اعتراض گورنمنٹ کی مکمل بے طرفداری کی خلاف ورزی ہو
 ہونے لگے۔ احاطہ مدراس میں جہاں ہندوستانی عیسائی کثرت
 سے تھے مسلمانوں کو وہ پیشہ وکالت و عمدہ ہمارے عدالتی اور مذہبی
 خدمات سے قانوناً محروم تھے بلکہ ان کے اندرونی حصوں میں وہ لوگ

شرع محمدی کے پابند کیے گئے تھے اور تمام ہندوستان میں ان کے دیوانی کے حقوق کی تصریح کسی مجموعہ میں تھی۔ آئر لینڈ اور ہندوستان دونوں ملکوں میں حکمرانوں کے ہم مذہبوں کی تعداد کم تھی لیکن ان دونوں صورتوں میں مشابہت فقط یہیں تک تھی کیونکہ فرق یہ تھا کہ آئر لینڈ میں تمام ملک کے محاصل فاتح قوم کے مذہب کی اعانت میں خرچ ہوتے تھے اور رعایا پر جو تعداد میں زیادہ تھی تمام مذہبی ناقابلیتیں عام کیجاتی تھیں۔ ہندوستان میں ہم اپنی رعایا کے کثیر حصہ کو اس ذریعہ سے خوش کرنا چاہتے تھے کہ تمام ملکی ناقابلیتیں رعایا کے اوس حصہ پر عام کی گئیں جو قاتحون کا ہم مذہب تھا یعنی ہندوستانی عیسائیوں پر ۱۸۳۲ء میں بنگال میں ایک قانون نافذ ہوا جسے تبدیل مذہب کی وجہ سے جایاد کے نقصان کی حفاظت کی لیکن ۱۸۴۰ء میں بمبئی کے بشپ نے یہ امر پیش کیا کہ اوس کے ڈائریکٹس کے ہندوستانی عیسائیوں کی عدالتا ہائے انگریزی صرف اس قدر حفاظت کرتی تھیں کہ ان کی ذات پر کوئی صدر مذہب نہ بن سکتا لیکن بمبئی کے قوانین کے موافق تو عیسائی کو کچھ اور حقوق حاصل تھے۔ اس درخواست پر بعد غور کمال گورنمنٹ نے ۱۸۵۸ء میں ایک مسودہ قانون بنایا جس سے تمام ہندوستان کے وہ قوانین

بسم الله الرحمن الرحيم

و مرسم منسوخ کیے گئے جنگی وجہ سے تبدیل مذہب یا ذات سے
 خارج ہونیکے باعث تبدیل کرنے والے کے تمام حقوق اور جاہ واد
 زائل ہو جاتے تھے اس قانون کے برخلاف ہندو مسلمانوں نے
 معاہدہ خواستین پھین حسین یہ بیان کیا گیا کہ تمام ہندو رعایا اس قانون کو
 خوف و حیرت کی نظر سے دیکھ رہی ہے " اور یہ کہ اس قانون کا منشا
 منشا مذہب ہندو کی بخلانی اور ضمنی طور پر بدعت و ظلم کا اجرا کرنا تھا اور
 جب معمول درخواست لکھنے والوں نے اس کو بے پروا کیا یہی آپرل
 کپنی کا اصول غیر جانبداری ہے " لارڈ ڈالہوزی (جو یہ سمجھتے تھے
 کہ سخت الفاظ ان کے اجماع کیے ہوئے ایسے عجیب چلن کے سکے تھے
 کہ جو اوروں کو دینے کے لیے کہے لیکن اوروں سے لینے کے لیے
 کوٹے تھے) اس اصلاح کو بھی اپنے معمولی و بنگ کارروائی کے ساتھ
 عمل میں لائے لیکن گورنمنٹ اسپر ہی بہ نسبت پہلے کے اس ہندو گاہ
 کے قریب تر نہ پہنچی جہاں کہ مذہبی ہواؤں اور موجوں سے محفوظ رہے
 اور ناقابلیتوں کی نسبت شکایت ہر طور پر رفع نہوی کیونکہ کرٹل لیسوں
 نے نہایت متانت سے اس شکایت کو ان شکایتوں کی فہرست میں
 میں درج کیا ہے جبکہ مسلمان آج تک ناراضگی کے ساتھ منہ
 رکھے ہوئے ہیں۔

بجائے اسکے کہ اونہوں نے ساکن اور غیر موج پانی میں پہنچائی ہو
 لارڈ ولٹون کی اپنی کشتی کو طوفان عظیم کے کنارے پر چوڑ کر چلے گئے۔
 مذہب عیسوی کا گورنمنٹ کی جانب سے بندریج روار کہا جانا اور
 ہندوستان کے مسلم مذہبوں کے زمرہ میں اسکا داخل ہونا دین عیسوی
 کے پورے پورے مفقودن کی بیباک رعایت اور مغربی رائے کی
 اوشی ہوئی موج کے زور سے سرکاری جہاز کی روانی کا جھکاؤ اور کلی طر
 ان تمام اسباب کے اجتماع سے نازک مزاج ہندو مسلمانوں کی جانچو گچھو
 اپنی اغراض کے بارہ میں خدشہ پیدا ہوا۔ اونہوں نے دیکھا کہ اوسکے
 عقائد کے قدیم اور غیر مشترکہ و غیر متنازعہ حقوق زائل ہوئے جاتے ہیں اور
 وہ صاف طور پر یہ نتیجہ نکالنے لگے کہ اوسکے عیسائی کرنے کی غرض سے
 گورنمنٹ اوسکے مذہبوں کی عمارتوں کے تلے سرگ لگاتی ہے۔ یہی حال
 مسلمان کے بلوہ و بغاوت کی بڑی شکلہ فتانی سے پہلے چاروں طرف
 پہلے ہوئے تھے اور اونہوں نے ہندوستان میں ان کے مزاجوں کو
 اشتعالک دینے میں بہت مدد دی۔ چنگاری لگتے ہی تمام ملک برہمن باغیوں
 اور مسلمانوں نے بغاوت مچا دیا کہ ہمارے مذہب خطرے میں ہیں اور اس
 غل کو دور و دور تک لوگوں نے سچا سمجھا۔ اول تمام اشتہاروں میں
 جو لکھتے اور دہلی سے جاری ہوئے تھے یہ اشارہ کیا گیا کہ ہندوستان کے

مذہب کے برخلاف انگریز خلافت انصاف چالین کھیل رہے ہیں۔
 یہاں تک کہ وہ ہندوستانی جنگجو پٹانسی لگنے والی ہوتی تھی مین عیسوی
 قبول کرنے کی استدعا کرتے تھے تاکہ اونکی جان بچ جاوے۔ اور اپنی
 درخواست کے نامعلوم رہنے پر تمحیر ہوتے تھے۔ مذہبی غیر جانبداری
 معاملہ پر اس غوریز بلوہ کا قدرتی اثر ہوا جس طرح ہے کہ جلتے ہوئے
 کانٹون سے آخر کار بڑے درختوں میں ہی آگ لگ جاتی ہے اسی طرح
 ہندوستان کے مذہبی جوش کے ظالمانہ اظہار نے اس پر اپنے فرقہ
 پرور مہنون کی بے اعتدالی کو نہایت خطرناک طریقہ سے پر روشن کیا
 جو بیشتر انگریزوں اور اسکاٹ لینڈ کے رہنے والوں کے دلوں میں
 ایک خفیہ طور پر چھپی ہوئی تھی۔ اور جبکہ ہندوستانی یہ فعل بچاتے تھے
 کہ ایک دعا باز گورنمنٹ کو مذہب عیسوی میں پٹنہا ساتے ہوئے پکڑی
 گئی۔ انگریز جو باوری تھے یہ کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے خدا کا قدر ہمارے
 اولیٰ حکمرانوں کی وجہ سے قوم پر نازل ہوا ہے جو اپنے مذہب سے
 انکار اور اسکی تذلیل کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تنگ مزاج مسلمانوں
 نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے
 کہ عیسائی باوری کے ایک فرقہ میں اسی غیر کاتھولک پٹانسیا کا ہے
 جس کے سبب مسلمانوں کے منصب میں وہ جوش آیا ہے جسکو بعض لوگ

مذہب کے برخلاف انگریز خلافت انصاف چالین کھیل رہے ہیں۔
 یہاں تک کہ وہ ہندوستانی جنگجو پٹانسی لگنے والی ہوتی تھی مین عیسوی
 قبول کرنے کی استدعا کرتے تھے تاکہ اونکی جان بچ جاوے۔ اور اپنی
 درخواست کے نامعلوم رہنے پر تمحیر ہوتے تھے۔ مذہبی غیر جانبداری
 معاملہ پر اس غوریز بلوہ کا قدرتی اثر ہوا جس طرح ہے کہ جلتے ہوئے
 کانٹون سے آخر کار بڑے درختوں میں ہی آگ لگ جاتی ہے اسی طرح
 ہندوستان کے مذہبی جوش کے ظالمانہ اظہار نے اس پر اپنے فرقہ
 پرور مہنون کی بے اعتدالی کو نہایت خطرناک طریقہ سے پر روشن کیا
 جو بیشتر انگریزوں اور اسکاٹ لینڈ کے رہنے والوں کے دلوں میں
 ایک خفیہ طور پر چھپی ہوئی تھی۔ اور جبکہ ہندوستانی یہ فعل بچاتے تھے
 کہ ایک دعا باز گورنمنٹ کو مذہب عیسوی میں پٹنہا ساتے ہوئے پکڑی
 گئی۔ انگریز جو باوری تھے یہ کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے خدا کا قدر ہمارے
 اولیٰ حکمرانوں کی وجہ سے قوم پر نازل ہوا ہے جو اپنے مذہب سے
 انکار اور اسکی تذلیل کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تنگ مزاج مسلمانوں
 نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے
 کہ عیسائی باوری کے ایک فرقہ میں اسی غیر کاتھولک پٹانسیا کا ہے
 جس کے سبب مسلمانوں کے منصب میں وہ جوش آیا ہے جسکو بعض لوگ

اسلام کی خاص ہیبت ناک ممیز علامت خیال کرتے ہیں یعنی یہ کہ
 مشائخ میں پادریوں کی مجلس نے ایک درخواست مرتب کی
 جس میں گورنمنٹ سے یہ خواہش کی کہ گورنمنٹ تمام معمولی امداد
 زربو غیر عیسائی معابدوں کو دیجاتی تھی ممنوع و مسدود کر دیوے۔
 ان سالکوں نے یہ حجت پیش کی کہ گوگافروں کے مندروں کی
 امداد از روے عہد نامیات ہمپر لازم ہے لیکن ایسے عہد ناموں کا
 مانع حکم اولیٰ عہد ناموں سے زیادہ تر قابل پابندی ہے کیونکہ وہ خدا
 کی طرف سے ہے اور اسکی خلاف ورزی بغیر خدا کے قہر کے نازل
 ہوتے نہیں ہو سکتی۔ اسی مسئلہ نے پادریوں کے دلوں کو بھی
 وسوسہ میں ڈال دیا جو مسئلہ خیر خواہ سرکار لیکن کٹر مسلمانوں کو
 اوقات شبہ میں ڈالتا ہے یعنی یہ ضغطہ ایک جانب تو ایمانداری اور
 نیک نیتی کی صریح ذمہ داریاں دوسری جانب خدا کی ناراضگی کا
 خیال اور اس وقت کا جو حل گورنمنٹ کو اس درخواست میں بتایا
 گیا تھا وہ قریب قریب وہی بات تھی جسکو ہم اپنی رعایا کی جانب سے
 اگر ہو تو بغاوت کہتے ہیں یعنی بادشاہ کی فرمانبرداری کو دینیات کے
 تابع کرنا یعنی یہ اصول کہ ہمارا دوسرے مذہب کے لوگوں سے ایسا
 اقرار کرنا اپنے مذہب سے انحراف کرنا ہے۔ خدا کے بعد کے زمانہ

میں صرف پادری ہی وہ انگریز تھے جنکے ملکی مسائل اس رنگ پر تھے
کیونکہ گویا خاص گورنر و مشیران سلطنت پر اس قسم کے دلائل کا
اثر نہ پڑتا تھا اور ایسے جذبات اور نکتہ چوری نہیں کیے تھے تاہم اوس وقت
شمالی ہندوستان کے بعض صوبہ داران انجیل اور تلواری کے ساتھ ساتھ
چلنے کی طرف میلان طبیعت کا اظہار ہوا اور لوگوں کا خیال اس طرف
مائل ہوا کہ مضبوطی کی تیز چہری چلا کر غیر عیسائی اوقات سے گورنمنٹ
قطع تعلق کرے۔

جس طرح
جس طرح
جس طرح

جون جون وہ سورشس جو بغاوت سے پیدا ہوئی تدریج گشتی
گئی توں توں اوس نازک حالت کی کشاکشی کم ہوتی گئی بلکہ ان
سالوں کے واقعات نے غالباً ہماری گورنمنٹ کی خواہش کو مضبوط
کر دیا کہ ہندوستان میں مذہب اور سرکار سے کچھ تعلق نہ رہے۔
ہوم سیکرٹری نے اس بارے میں ایک جدید مسئلہ ہیجا اور بہت
سی خط و کتابت کے بعد ۱۸۶۳ء میں وہ ایکٹ نافذ ہوا جس نے
حکام گورنمنٹ کو تمام اون فرائض سے سبکدوش کر دیا جن میں شامل
یہ امور شامل تھے۔ مذہبی عہدہ داروں کا تقرر اراضی وقف کا انتظام
اون کی آمدنیوں کا وصول تحصیل متبرک عمارتوں کا تحفظ یا کسی اور نہج پر
ہندوؤں یا مسلمانوں کے امور دینی کا اہتمام۔ اس قسم کی تمام عہدہ داروں

اور اوقات قطع طور پر اون شخص المختص المقام امینوں اور کمیٹیوں کے
حوالہ کر دیں جنکو ایک بار گورنمنٹ نے دوام کے لیے مقرر کر دیا اور
جنکے بعد گورنمنٹ نے اونکے نامزد کرنے یا کسی اور شخص پر اونکے معاملات
میں دست اندازی کرنے سے قطعاً انکار کیا جو انتظامی روک ٹوک ان

امینوں پر رہی وہ اوس تدبیر سے مشابہ تھی جو آج بشپ کینٹری
نے انگریزی پارلیمنٹ کے لیے اوس تجویز میں پیش کی تھی جو ہوسٹ
لارڈس میں ۱۸۵۷ء میں نام منظور ہوئی یعنی یہ کہ ہر شخص کو جسے سندر
یا مسجد یا اوکی پرستش یا اوکی عبادت سے تعلق ہو اختیار ہے کہ عدالت
دیوانی میں امین یا مہتمم یا ممبر کمیٹی پر خلاف ورزی امانت یا فرائض
منصبی میں غفلت یا بدظنی کی نالاش کرے اور عدالت دیوانی کو اختیار
ہے کہ فعل کی تعمیل مختص کا حکم دیوے یا خرچہ کی ڈگری دیوے یا کسی
شخص کو اوس کے عہدہ سے برطرف کرے۔ بعد ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ
نے وہ قانون جاری کیا جس میں گورنمنٹ نے یہ اعلان کیا کہ وہاں
قاضیوں کو مقرر کیا کریگی جس قانون سے سرکار کا برٹش انڈیا کی
ہندوستانی رعایا کے مذہبی معاملات سے قطع تعلق کامل ہو گیا
اوس وقت وہ تمام سول نا قابلیتیں دور ہو گئیں تھیں جو مذہب کی وجہ سے
عائد ہوتی تھیں اور گورنمنٹ شاید اس اہم پر نازان ہوتی ہوگی کہ

۹
حجۃ الاسلام
محمد علی شاہ
دہلی

ہے جو وقت اور تین مغربی دین عیسوی میں حجت کی بیماری اور پورے
کے معقول پسندی کی تحقیق کرنیوالی روشنی کی سالہا سال کے اثر
سے صریحاً لگیل کر لاغر ہو گئی ہیں، یہ خلاف اسکے اسلام کا صاف اور
مغیر مذہب کلمہ آخرت کی جانب خط استقیم میں اسی طرح لیجاتا ہے
جیسے کہ مصر کے بلند مینار بغیر ذرا سے ہکاؤ کے سیدھے آسمان کی
طرف چلے جاتے ہیں۔ اسوجہ سے اسلام کی طرف وہ ہندو نہایت
جلد راغب ہو جاتے ہیں جو متعدد دیوتاؤں کی نفسانی پرستش کی
بہول بھلیوں سے باہر نکلنا چاہتے ہیں مگر جو بہ نسبت اون خیالات
کے جو ہمہ از دوست یا ہمہ اوست کے سلسلہ کی نسبت خود اونہیں کے
مذہب میں موجود دین زیادہ تر صاف اور متعین عقیدہ کے خواہشمند ہیں
اور قوت و گرامر می اوس اعلیٰ پیغام کی جو ایسی ثبات قدمی سے
حضرت محمد ﷺ سادہ لوحوں کے دلوں کو مسخر کر لیتی ہے اور چھند
دل سے حق کے متلاشی ہیں اونکی قوت متخیلہ کو جوش میں لاتی ہے
ان آلات کے ذریعہ سے ہندوؤں میں مسلمان اپنی سرحد کو وسعت
دیتے ہیں اور دو گروہوں کی رقابت جنگو گورنمنٹ نے ذاتی بہرہ ور
چھوڑ رکھا ہے اور نہ جنگی اعانت کیجاتی ہے اور نہ مخالفت یہ انوکھا
نماشا عفریب دکھائی ہے کہ دو زبردست اور پر زور مذاہب ایک دوسرے

۱۰
دوست
۱۱
دوست
۱۲
دوست
۱۳
دوست
۱۴
دوست
۱۵
دوست
۱۶
دوست
۱۷
دوست
۱۸
دوست
۱۹
دوست
۲۰
دوست
۲۱
دوست
۲۲
دوست
۲۳
دوست
۲۴
دوست
۲۵
دوست
۲۶
دوست
۲۷
دوست
۲۸
دوست
۲۹
دوست
۳۰
دوست
۳۱
دوست
۳۲
دوست
۳۳
دوست
۳۴
دوست
۳۵
دوست
۳۶
دوست
۳۷
دوست
۳۸
دوست
۳۹
دوست
۴۰
دوست
۴۱
دوست
۴۲
دوست
۴۳
دوست
۴۴
دوست
۴۵
دوست
۴۶
دوست
۴۷
دوست
۴۸
دوست
۴۹
دوست
۵۰
دوست
۵۱
دوست
۵۲
دوست
۵۳
دوست
۵۴
دوست
۵۵
دوست
۵۶
دوست
۵۷
دوست
۵۸
دوست
۵۹
دوست
۶۰
دوست
۶۱
دوست
۶۲
دوست
۶۳
دوست
۶۴
دوست
۶۵
دوست
۶۶
دوست
۶۷
دوست
۶۸
دوست
۶۹
دوست
۷۰
دوست
۷۱
دوست
۷۲
دوست
۷۳
دوست
۷۴
دوست
۷۵
دوست
۷۶
دوست
۷۷
دوست
۷۸
دوست
۷۹
دوست
۸۰
دوست
۸۱
دوست
۸۲
دوست
۸۳
دوست
۸۴
دوست
۸۵
دوست
۸۶
دوست
۸۷
دوست
۸۸
دوست
۸۹
دوست
۹۰
دوست
۹۱
دوست
۹۲
دوست
۹۳
دوست
۹۴
دوست
۹۵
دوست
۹۶
دوست
۹۷
دوست
۹۸
دوست
۹۹
دوست
۱۰۰
دوست

لڑ رہے ہیں اور دونوں اوس سبک بڑی مستعد و مضبوطی کا
 مستعمل کرتے ہیں جو اب تک دنیا میں باقی ہے اور جس کے نتیجے
 زوال کی وجہ سے نومبر کے نیک و وسیع میدان اعلیٰ تر مذاہب کو ضرور
 ملے گا۔ جبکہ فوجیں اس طور پر آراستہ اور مقابل میں ہیں تو وہ فریق جو
 جو واقعی جنگ میں مشغول ہیں بے نقیبی کے غیر خطرہ زدہ ہیں۔
 اکثر بگڑ جاتے ہیں اور اوسکا سوا نہیں کرتے نہ فی الحال ہماری گورنمنٹ
 کی ایک زبان ہو کر سب تعریف کرتے ہیں کیونکہ گورنمنٹ نے ایک
 غیر فداکار تماشائی کا روپ بہا ہے (اور وہ ایشیائی تماشگاہ میں ایک
 نرالا روپ ہے) اور گورنمنٹ صرف ترتیب و انتظام اور دنیوی ترقی کا
 پس کرتی ہے۔ اس کا زوالی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف بلکہ متضاد
 طریقہ خیال سے ہندو مسلمان اور انگلستان کے عیسائیوں کے
 مختلف پرچم سرگروہ ہماری غیر جانبداری پر ساتھ ہی ساتھ بعض
 ہیں۔ ان مختلف گروہوں میں سے کثرت اتفاق کی وجہ سے سب بڑا
 گروہ مسلمانوں کا ہے جنکی شکایتوں سے وقتاً فوقتاً انگریزی مصنفین
 بہت ہمدردی ظاہر کی ہے اور ان شکایتوں کی جائزہ رقصہ برین
 کیپٹی ہیں۔ میں ڈاکٹر بنٹ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی
 حالت پر ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ گورنمنٹ انگریزی پرچم سے

لکھنؤ
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

یہ الزام لگایا کہ اوسنے مسلمانوں کے اوقاف میں دیدہ و دانستہ خجاست
مجرمانہ کی اور یہ کہ اوسنے مسلمانوں کے قانونی افسروں یعنی قاضیوں کو
موقوف کر دیا کیونکہ متجاہمین کے تنازع پر ہائی کورٹ مدراس نے
یہ ڈگری دی کہ موافق مخرج محمدی قاضیوں کا تقرر صرف سرکار کر سکتی
ہے اس فیصلہ کی بنا پر یہ حجت کیجاتی ہے کہ قاضیوں کا تقرر مسدود کر دینے
کے ذریعہ سے گورنمنٹ نے درحقیقت ایک ضروری مذہبی عہد توڑ دیا
ان سخت الزاموں سے کرنل جوبلو ناسولیس نے بھی اپنے ایک رسالہ
میں اتفاق کیا جس رسالہ میں انہوں نے اپنے بہت سے آرگمنٹس اور
چٹھیاں اس مضمون خاص پر یکجا کر دیں اور اقتباس ذیل سے معلوم
ہوگا کہ کرنل صاحب نے مذہبی غیر جانبداری کے دائمی محصور قلعہ پر کس
طرح سے گولہ اندازی شروع کی وہ کہتے ہیں کہ مذہبی بیطرفداری کے
ہمارے مسلم اصول کی بنا پر یہی ہندو اور مسلمان یہ اعتراض کر سکتے ہیں
کہ کثیر التعداد حصہ اوس مالکداری کا جو انکے عرق جمیع سے حاصل
ہوتا ہے ان سرکاری گرجاؤں کے اخراجات میں صرف کیا جاتا ہے
جو محض عیسائیوں کے استفادہ کے واسطے بنائے گئے ہیں خواہ وہ عیسائی
سرکاری ملازم ہوں یا انہوں برعکس اسکے ہندو اور مسلمانوں کی
عبادت گاہوں یا اوسکے پنڈت اور مولویوں کے صرف کے واسطے

کوئی سرکاری رقم نہیں ملتی۔

اب جانتا چاہیے کہ یہ رائے امنِ مجاہدینِ انگریزوں کے خیالات کے موافق ہے اور یہ بھی بلاتامل کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانیوں کی یہ رائے نہیں ہے کیونکہ اس میں ہر طرح کا شک ہے کہ اس قلیل عطیہ سالانہ کی نسبت جو ہندوستانی عیسائی گرجاؤں کو دیا جاتا ہے خود ہندو یا مسلمان کوئی اصولی اعتراض کرتے ہیں لیکن یہ بیان کہ کوئی سالانہ عطیہ ہندو یا مسلمانوں کے مذہب کے واسطے نہیں دیا جاتا تھا بیہرحی کا چرکا ہے اور اس بات کے لیے کافی ہے کہ ہماری کجست گورنمنٹ مدتوں کی اس کوشش کو نامید ہو کر پھوٹو پوسٹ جو وہ غیر جانبداری کے سچے طریقہ کے واسطے کر رہی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں مثلاً بعد نسل ہم پر کفر کا الزام اسوجہ سے لگایا گیا کہ ہندوستان کے ہر حصہ میں ہندو اور مسلمانوں کے اوقات کا ہٹنے اہتمام کیا اور سرکاری مالگزاری سے کثیر التعداد و رقوم اونکی تائید میں خرچ کی۔ اور صرف چند برس گزرے کہ بڑی کے پادریوں کے جلسہ نے بہرے ہوئے غصہ کے ساتھ گورنمنٹ پر یہ بات ظاہر کی کہ جہاں تک ہکو و اقیست حاصل ہوئی ہے اس کے موافق صرف صوبہ بھٹی میں دن مندروں یا مشنوں کی جنگو سرکاری خزانوں کے عطیات سے و نیز دیگر وسائل سے جو زیر اہتمام گورنمنٹ میں

مروطی ہے اونکی تعداد ۲۶۵۸۹ ہے اور یہ تعداد اون عیسائی گرجوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے جنگی مدرسہ زمین برطانیہ میں گورنمنٹ کرتی ہے اور تمام عیسائی فرقوں کے گرجاؤں کی کل تعداد سے جو چیز یہ برطانیہ میں واقع ہیں شاید ہی ہو بلکہ کم نہیں ہے اگر ہکویچ اطلاع ملی ہے تو احاطہ بھی میں سرکاری خزانوں سے ان مسندرون اور ٹیوینر سات لاکھ روپے صرف ہوتے ہیں اور احاطہ مدراس میں اس سے ہی زیادہ یعنی آٹھ لاکھ چتر ہزار چھ سو اٹھتر روپے۔

۱۸۵۶ء میں تعداد اس قدر توفیر کی جو مذہبی اوقاف کے نام سے احاطہ مدراس میں جمع تھی کئی لاکھ تھی اور ۱۸۵۹ء تک کل اخراجات کی کمال تعداد دس لاکھ روپیہ تھی ۱۸۶۲ء میں ایک زاہد نے سرکاری خزانہ سے دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ یافتی خود کا دعویٰ کیا تھا باوجودیکہ اوس نے اپنی درخواست میں اظہار ویشی و گوشہ نشینی کیا تھا ماحاطہ بنگال و نیز دیگر صوبجات (مثلاً ناگیپور و ادو) میں جبکہ انتظام سپریم گورنمنٹ خود کرتی ہے اون عطیات کی تعداد جو بطور نقد یا جنس بتائید مذہب دیئے جاتے ہیں اور تیر جاہاد و توفیق کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان میں وہ مقدار جاکیرین شامل نہ تھیں جو کہ ہندوستان بہر میں ہندو اور مسلمانوں کے معابدوں کے واسطے مخصوص کر دی تھیں۔ ان جاہاد و مکانہ ہندوستان و امی طور پر

اولن معابدون کے نام سے کر دیا گیا ہے جسکے وہ متعلق ہیں اور وہ
 لائبریری ہیں اور اسمین کچھ شبہ نہیں کہ ان جاگیر و مکان کا تشخیص جمع سے
 بری کیا جانا اس بات کے مساوی ہے کہ سرکار اونکے خرچ کے لئے
 اوس قدر امداد زر کرتی ہے جس قدر کہ اون سے مالکنداری حاصل ہوتی
 اگر یہ اراضی مذہبی خدمات کے لئے مخصوص نہ کر دی جاتیں مہل تو
 یہ ہے کہ دنیا بہرین کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں کی رعایا کے مذہب
 کی امداد کے لئے سرکاری مہل سے ایسی اچھی کفالت کی گئی ہو
 جیسا کہ ہندوستان ہے تاہم کرنل لیس اخبار نویس کے ناظرین
 یقین دلاتے ہیں کہ صرف چند متعدد چیلنوں اور پادریوں ہی کے
 لئے ہندوستان کے کاشتکاروں کو عرق زریزی کرنی پڑتی ہے
 منقول الصبر عبارت سے اور نیز اسی قسم کے ایک اور فقرہ
 سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ کرنل لیس کی رائے میں کون سی
 مذہبی حکمت عملی حسن ہے کیا اونکی رائے ہے کہ مزید عطیہ زر کے
 ذریعہ سے ہندو اور مسلمانوں کے اوقاف کی موجودہ کثیر تعداد
 آمدنی کا ہم اضافہ کر دیں یا اونکی یہ عواہش ہے کہ ہم اون غلاموں کو
 بند کر دیں جو ہمارے عیسائی افسروں اور سپاہیوں کی مذہبی خدمات
 کے عوض میں عیسائی پادریوں کو دیجاتی ہیں انگلستان میں اس

قوی فرقہ کے دل کو آخر الذکر تدبیر غالباً قابل پسند معلوم ہوتی ہے
 کیونکہ پارلیمنٹ نے وہ تقسیمات طلب کیے ہیں جس نے یہ معلوم ہو
 کہ عیسائی پادریوں وغیرہ پر اس قدر سالانہ روپیہ صرف ہوتا ہے
 اور انگریزوں کا فرقہ نان کنفرسٹ حسب معمول یہ تجویز کر رہا ہے
 کہ گورنٹ انگریزی پریزور کیوں نکالاجاے کہ وہ ہندوستان
 کے گرجاؤں سے مطلقاً قطع تعلق کر لیں۔

برٹش فوج کے پادریوں کی تنخواہ دینے کی ضرورت تو غالباً
 قابل اعتراض نہیں ہے اور ہندوستان کے مختلف عیسائی فرقوں
 کے پادریوں کی سرکار سے عام مدد کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ
 ان کے طریقہ حرج سٹیلشمنٹ یا ان کے متعلق اوقات پر بحث کرنا
 یہ مقام نہیں ہے لیکن یہ بات قابل گذارش ہے کہ اگر پارلیمنٹ
 ہندوستان میں مذہبی بحث (بقول فرقہ کلیٹی) کو بالکل غائب
 کر دے تو اس اصول کے ماننے سے یہ لادبی طور سے لازم آئے گا
 کہ ایک زیادہ تر وسیع اور قابل غور سوال پیدا ہو گا کہ میں معرض بحث
 میں آؤں کیونکہ آسانی سے یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ عیسائی
 گرجاؤں کے اخراجات کیونکر بند کر دیے جاسکتے ہیں ہولے
 اسکے کہ اس وسیع اصول پر کہ سرکار کا کام یہ نہیں ہے کہ کشی ہی

یہ وہ فرقہ ہے
 جو بھارتی
 گرجاؤں میں
 ایک خاص قسم
 کی فوجی
 خدمت کر رہا
 ہے
 اس کے علاوہ
 دیگر فرقے
 بھی ہیں
 جن کے
 افسران
 فوجی
 ہیں
 ان کے
 افسران
 فوجی
 ہیں
 ان کے
 افسران
 فوجی
 ہیں

اصول کو ماننے یا او سکی اعانت کرے اور یہ کہ اول مذہبی مراحم کی
 مدد کرنے کو کسی شخص پر ٹکس لگائے جس سے او سکو احتراز ہے
 کیونکہ یہ سپرد پردہ مذہب کے لیے ظلم کرنا ہے۔ بشا یہ اصول
 منطق کی رو سے درست ہو لیکن او سکا اطلاق جزوی طور سے
 کیونکہ ہو سکتا ہے عیسائیوں کو تہوڑی سی امداد دے دینے پر ناراض
 ہونا ایک چوٹا سا چھڑ مارنا ہے جبکہ ہم ہندو اور مسلمانوں کے اوقات
 کے بڑے بڑے اور توننگل جاتے ہیں اس بات سے کچھ بہت
 فائدہ نہیں ہے کہ ہم ہندوستان میں کئے دل کی مذہبی غلش کو رفع
 کریں جو پروسٹنٹ لیشپ کی تنخواہ کے اخراجات کے ٹکس دینے
 سے ہے اور یہ بات رد رکھیں کہ رعایا مور تون اور اسلام کے
 واسطے بلا تفریق ابواب او ٹکس دیوے او شخص ٹکس دینے والے
 کے مذہب اور او س مذہب میں چکے خرچ کے واسطے او سکار پیو
 دیا جاتا ہے نیز ابھی شلق نہو ٹکس تائیں اس طریقہ کی تحریک ہونا
 کہ ہندوستان کی گورنمنٹ ہر مذہبی امر میں روپیہ خرچ کرنے سے
 باز رکھی جائے ہندوستان میں کو عموماً پسند نہو گا کیونکہ لب لباب
 اول شکایتوں کا جو ہمارے مخالف ہندوستان میں کر رہے ہیں
 یہ ہے کہ ہم نے او س کے معابدوں کی امداد موقوف کر دی ہے او س کے

اوقاف کی از سر نو تحقیقات کی گئیں تاحیون کے تقرر اور انکی
 منہی مری بننے سے انکار کیا اور منہی اوقاف کی نگرانی
 بالکل ترک کر دی یا انکی اصلاح کی کوشش کی ہے۔
 سچ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں کہ ایک غیر فدا گور
 کے مناسب فرائض منصبی کیا ہیں مشرقی اور مغربی راسے کا اختلاف
 درجہ انتہا کو پہنچا ہے۔ مغرب میں غیر فدا رسی سے مراد یہ ہے کہ
 سرکار کے فرائض منصبی بالکل امور دنیوی سے ہی متعلق ہوں۔ مذہب
 کی امداد نہ کرنے کا اصول عموماً پسند کیا جاتا ہے اور مذہبی اوقاف کا
 مسئلہ و ذکر نا فائدہ عام پر منحصر ہے۔ مشرق میں یہ تمام خیالات بالکل
 نئے ہیں اور ان تمام مختلف قسموں کی نئی شراہوں میں سے جبکہ ہم
 پرانی بوتلوں میں ڈال رہے ہیں ہندوستان میں ان کے ذائقہ کے
 خلاف اور طبیعت کے ناگوار اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔
 ہندوستان میں اس دشمنی کا خیال ہی نہیں ہے جو انگلستان میں
 بوجہ وضع قوانین خاص پیدا ہوئی ہے جن قوانین کا منشا ہر ایک کے
 مذہب کا یکساں ہونا اور مذہبی تعلیم کا سبب قاعدہ مقرر ہونا تھا اور
 بوجہ ان قدیم کوششوں کے جبکہ منشا یہ تھا کہ مختلف فرقے مثل
 ہیشرون بکریوں کے ایک گلہ میں ایک سرکاری چرواہے کی نگرانی

مذہبی اوقاف کی نگرانی

مذہبی اوقاف کی نگرانی

میں ہانکے جاوین چونکہ ہندوستان میں کبھی ایک مذہب اور ایک
 قوم نہیں تھی لہٰذا ایک ایسے قومی گرجا کے تقرر کا خیال ہی نہیں
 گذرا جس میں اور کسی کی شرکت ہو ہندوستان میں یہ بات نونوں
 اور قدرتی خیال کیجاتی ہے کہ بادشاہ اپنے مذہب کے واسطے
 مناسب سامان فراہم کرے یہ فیاضی میں داخل ہے کہ ہر شخص مذہبی
 جماعت کے واسطے جو مالکانہ اسی تقسیم کرے یا جاری رکھے یہ بات
 صحیح اور مناسب خیال کیجاتی ہے کہ وہ تمام مذہبی جماعتوں اور
 حقوق کا اہتمام کرے اور یہ حکمت عملی کہ وہ ان تمام باتوں کا لحاظ
 نہ کرے اور اپنے مذہب کے لیے ہی مناسب بندوبست کرے صرف
 اوجھیں لوگوں کی سمجھ میں آسکتی ہیں جنہوں نے انگریزوں کے بھی
 مباحثوں کو پڑھا ہے۔ اور اس حکمت عملی کی ایشیائین کو فی نظیر نہیں ہے
 ہندوستان کے لوگ لارڈ شیفٹس بری کے اس قول کو پسند
 کریں گے کہ میری رائے میں بہتر ہے کہ ایک بچہ کو رومن کیتھولک کے
 طریقہ پر تعلیم دیا جائے یہ بہت اچھا ہے کہ اس کو مذہبی تعلیم بالکل نہیں دیا جائے
 برخلاف اسکے وہ ناان کا نفرسٹ کو نامعلوم خیال کریں گے جو کہتا ہے
 کہ بہتر ہے کہ تمام گرجاؤں اور مذہبوں کے وقفہ چھین لیے جائیں
 یہ بہت اچھا ہے کہ ایسی سوسائٹیوں کے اوقات یا عطیہ روادار کے لیے

جنگ عقاد سے اوسکو اختلاف ہے " انگلستان کے مفلس و نیم بچوں
 کے تنازع کی نسبت لکھا ایشیا کا رہنے والا اولن سے اوسى طرح
 فیصلہ کر چکا بطرح حضرت سلیمان نے اولن دوحور تو ککا فیصلہ کیا تا
 جو ایک بچے کے قبضہ کے لیے جھگڑتی تھیں لاڑو سا سبیری وہ
 عورت ٹھہرنے کے جس نے یہ بات پسند کی تھی کہ اوس بچے کو دوسرے
 دیدین اور اوسکو مرنے ندین اور تان کا نفر مسٹ وہ عورت ہوگی
 جس نے یہ پسند کیا تھا کہ وہ اوس بچے کو مرنے دیگی اور اپنی سوتیلہ
 ندیگی بلاشبہ اس مشکل میں سے ہندوستان کی گورنٹ کو نکالنے
 کے لیے کچھ حضرت سلیمان کی سی عقل درکار ہے تاکہ وہ دل کھانے
 کے پہاڑ سے ٹکر نہ لیا جائے۔ ہم مثل اوس شخص کے ہیں جو یہ چاہتا
 ہے کہ ایک دم سے اپنی گھڑی میں دو مختلف خطوط طویل بلبر کے مطابق
 وقت صحیح رکھے اگر گرنج کے خط نصف النہار کی رو سے سرکار کا
 سے تعلق رکھتا اور سرکار کی طرف سے اوقات کا مقرر کرنا ایک
 منسوخ طریقہ ہے وہی کے خط نصف النہار کے مطابق ملک کے
 مذہبی عبادتوں سے سرکار کا قطع تعلق بہت ناراضگی کا باعث ہوا
 ہے اور بلاشبہ وقتوں کا ضبط کر لینا بہت دیوتاؤں کو اور مذہبی
 چھوٹوں کو لوٹتا ہوگا۔ حال میں یہ بات بیان کی گئی ہے اور بلاشبہ

یہ
 نون سا
 میں ایک
 فیصلہ
 یہاں
 مذہبی

بیان کی گئی ہے کہ انگریزی گورنٹ نے تمام مارج کو اچھی طرح سے
 سمجھنے کی وجہ سے عجلت سے کام کیا جبکہ اس نے اوس قدیم
 زنجیر کے توڑنے کا ارادہ کیا جس سے مذہبی معابد اوس صوبہ کی
 گورنٹ کے قدموں سے بندھی تھی جبکہ وہ صوبہ لیا گیا گیا کہ اس
 کارروائی سے ہنسنے لپنے تین پڑانی دنیا کے خیالات کی بلا سے چڑا کر
 وہ نیکنامی اور سرداری کو دی جو ہندوستان کے بادشاہوں کو
 حاصل ہوتی تھی جبکہ تمام مذہبی عہدوں کے تقرر اور جائیداد و قسطن
 کی وراثت کے لیے انتخاب اوسکی منظوری و کار ہوئی تھی یا کو
 انتخاب تصفیہ قبول کیا جاتا تھا اور اس امر میں اوسکے انتخاب و
 حکم کو تمام لوگ پسند کرتے تھے۔ صوبہ مدراس میں سات ہزار
 چھ سو ہندو معابدوں کی نگرانی اوس وقت تک گورنٹ افسرین
 کے سپرد تھی اور یہ نگرانی صرف برائے نام تھی بلکہ رعایا اپنے
 ضلع کے افسر کو اپنے مذہب کا دوست و محافظ خیال کرتی تھی
 نسبت اوس ناراضی کے جو شمالی ارکاٹ کے ایک مشہور مندر
 کے انتظام کے ترک کرنے سے رعایا کو گورنٹ سے ہوئی
 مجسٹریٹ نے یوں لکھا اسی نے پوچھنے سے اوسکے
 ارادہ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی وہ لوگ کہتے ہیں کہ مرنے سے

۹

جب

درکشی

سرخ

۱۰

اس مندر کا بندوبست حاکم وقت کے اختیار میں رہا ہے یہ آپ
 کی جدید تجویز دستور کے خلاف ہے اگر آپ اس پر اصرار کریں گے تو
 ہمارے مندر میں مذہبی پوجا موقوف ہو جائیگی۔ یہیں شبہ نہیں کہ
 اس تغیر کے نتائج کی نسبت لوگوں نے بہت مبالغہ کیا لیکن
 مذکور الصدر عبارت سے اس معاملہ میں اونکی رائے ظاہر ہوتی
 ہیں اور یہ بات بھی بولنی چاہیے کہ مذہبی عہدے اور جاہل دین علیٰ اہم
 اوس خاص میلان کی پابندی میں جس سے کہ ملک بہر میں عام حقوق
 اور مراعات و ابستہ میں یعنی بیشتر حصہ اونکا خدمت کے صلہ میں
 قابل اور اوقات عام مقبوضات خانہ دانی خیال کیے جاتے ہیں اور ہم
 باستثناے کسی خاص ضروری صورت کے اونکے مقررہ سلسلہ وراثت
 تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے یا تاکہ کہ قاضی کی نیم مذہبی
 خدمات بھی مورد فحش ہو گئی تھیں اور سرکار کی طرف سے اونکا تقریر صرف
 ایک مضابطہ کی کارروائی تھی قبل اسکے کہ ایک عرصہ کا نافذ ہوا
 بلکہ اوس سے بھی پیشتر سے جبکہ انگریز ہندوستان کو مسلمانوں کا
 مرہٹوں سے لیکر اپنے قبضہ اقتدار میں لائے یہ نتیجہ نکالنا فاش
 غلطی ہے کہ قاضیوں کے تقریر کی مسدودی سے ہماری مسلمان
 رعایا نکل سے اویسی طرح اذیت لگتی جس طرح سے کہ زمانہ مضبوط

میں ناقابل عیسیٰ ملا عقد کاج کو نہ ہی نفاذ کی اجازت دیتے
 باز رکھتے گئے تھے۔ ایسا غلط سمجھ خیالات کا ایسے مصنف کی
 جانب سے در اہل نہیں ہو سکتا ہے جسکی اعلیٰ درجہ کی استعداد اسلام
 اور جو قابل منشی ہو مگر یہ جانشینی اور انتخاب کی منظرہ ہی کے ضابطہ
 کی کارروائی بدستور چلی آتی تھی اور اس کا مسدود کرنا قاضی کا کفار
 سے قطع تعلق تھا بلکہ قاضی کے مرتبہ کو کم کرنا اسکی عزت میں بڑے لگائے
 اور اس کے عہدہ کے قیام کو جو غیر قابل حجت تھا کم کر دینا تائبہ شہد
 ان باتوں کا اثر دل پر ہوتا ہے اور یہ امر بحث طلب ہے کہ گورنٹ
 کی اس پالیسی کی کافی ضروری وجوہات تھیں جسکے سبب اس نے
 مذہب اور سرکار کے اس قدر فی اور قدیمی رشتہ کو منقطع کیا کیونکہ
 اس ضابطہ کی کارروائی کے مسدود ہونے سے قاضیوں کا اختیار
 بھی کم نہیں ہوا بلکہ لوگوں کی توجہ اس طرف ہی مبذول ہوئی کہ عیسائی
 حکمرانوں کی ہاتھی میں ایک مسلمان جماعت کا ہونا ایک انوکھی بات ہے
 اس کے سبب سے وہ خارج پیدا ہوئے جنکو یہ چاہا کہ اس کے
 اس بات سے کہ ہم اس ملک کے بعض حصہ میں مسلمان بادشاہوں کے
 جانشین ہو گئے تھے ہکو یہ ہوشیاری لازم تھی کہ ہم اس کے اچھی طرح
 سے قائم مقام بنے اور جہانک کہ ممکن ہو اس کے کاموں کو جاری

رکتے ابرخانات اسکے کہ ایک ایسا نفس کشی کا حکم جاری کرتے جسے
ہم کو اس حق سے محروم کیا جسکو ہر مسلمان بادشاہ اپنی حکمرانی کا ایک
جز و تصور کرتا ہے ہماری ملکہ معظمہ کہ جس کا یہ عظیم الشان مشرق باجگذا
ہے "مسلمانوں کی کثیر تر جماعت پر بہ نسبت سلطان عثمانیہ کے
حکمران ہے ہماری حکمت عملی یہ ہے کہ ہم ثابتہ کریں کہ ہم اس وسیع
سلطنت پر نازان ہیں اور ہم اپنی مسلمان رعایا کو یہاں تک سر بلند
کریں کہ وہ بھی اس بات کا فخر کرنے لگے کہ وہ ایشیا پر ہیں
سے قوی بادشاہ کی ماتحتی میں رہتی ہے۔

لیکن اس پیچیدہ مباحثہ کے واسطے زیادہ جگہ چاہیے بہ نسبت
اسکے کہ بیان ہم کو مل سکتی ہے اس سبب میں ہمارا یہ مقصد تھا کہ ہم ان
مشر لزل باتوں کا ذکر کریں جو موجودہ صدی میں ہماری ہندوستانی
غذہ ہی حکمت عملی میں واقع ہوئیں، بعض غلط فہمیوں کو درست کریں جو
ہماری اون کو ششوں کی بنیاد تھیں جو ہم نے ایشیائی باتوں کے
ساتھ اپنے تعلقات کی درستی کے لئے یورپ کے جدید اصول پر
کارروائی کرنے میں کین شروع شروع میں ہم نے ہندوستانوں
کے خیالات سے بنیاد کو غوش کرنا چاہا یہاں تک کہ ہم نے اون
مراہم اور دستورات کا سرکاری ادب اور لحاظ کیا جو ان معاملات

یوروپین طریقہ خیال سے نہایت بُرا تھا اور سہکواس بات کے ثابت
 کرنے کی حد سے زیادہ فکر تھی کہ ہم دین عیسوی کی طرف داری کرنے
 سے جو کہ پوٹیکل طور سے کچھ ضروری تھی اس ملک کے قومی مذاہب
 کے ناچار دشمن کر نیکا خیال نہیں کہتے۔ یہ بات حد سے زیادہ بڑھ گئی
 اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یوروپین ہم سے ناراض ہو گئے پس
 ہم دوسری طرف استدرجہک گئے اور ملک برطانیہ کے مذہبی پوٹیکس
 کی یہاں تک تقلید کی کہ یہ شکایت ہونے لگی کہ انگریزی گورنمنٹ نے
 تمام مذاہب کی نسبت غیر طرف داری وغیر ذمہ داری کے اصول اختیار
 کرنے کی کوشش میں ہندوستان کی مراہم اور مذہب کے دنیوی
 اعزازوں اور اون قدیم حقوق پر کافی لحاظ نہ کیا جو بادشاہ ملک پر
 واجب ہیں گویا بادشاہ کوئی ہو۔ اور اگر ہندوستان کی رعایا کی علی العموم
 یہ رائے ہے کہ ہندوستان کی گورنمنٹ کو اس کے مذہبی کارخانوں
 اور وقفوں کی نگرانی سے قطعی طور پر قطع تعلق نہ کرنا چاہیئے تو اس بات
 سے اونکو کچھ تسلی نہو گی کہ عیسائی مراہم کے سرکاری امداد کے منع
 کرنے کو پالیسی منت تیار ہے۔

اگر عیساکہ شبہ کیا جاسکتا ہے ہم کو کون نے کبھی کبھی ان معاملات
 میں مذہبی امور کے اوس کامل بطرف داری کے صحیح معنی سمجھنے میں غلطی

کی ہے جو کہ نہایت درست طور پر ہماری حکمت عملی کا لب لباب سمجھی
 جاتی ہے تو اس کا غالباً سبب یہ ہے کہ ہمیں اور ان جگہ ٹرے کی باتوں کا
 اثر پڑا ہے جو ایک مختلف پولیٹیکل حالت میں ولایت میں چلی آتی ہیں۔
 انگلستان میں صحیح طریقہ داری کے یقین دلانے کے غالباً یہ معنی ہونگے کہ
 گورنمنٹ نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ کسی فرقہ کے دنیوی یا روحانی
 معاملات سے کسی قسم کا تعلق نہ کیگی ہندوستان میں اس اعلان
 کے معنی اس طور پر سمجھے جاو چکے کہ یہ پسندیدہ ذمہ داری کی گئی ہے
 کہ مملکت معظمہ ایک مذہب کے زیادہ رعایت دوسرے مذہب کی نگرانی
 لیکن یہ اعلان اس قدر پسندیدہ ہوگا اگر اس سے یہ مراد لیجائے کہ
 ہندوستان کے حکمران ہندوستانیوں کے مذاہب کے دنیوی
 اغراض کی سرپرستی یا نگرانی سے یک نخت دست کش ہو جاوینگے
 اس قسم کی کارروائی تمام اس تاریخی تجربہ سے باہر ہے جو ہم کو
 ایشیا ہر کے دنیوی اور مذہبی سرپرستوں کے باہمی تعلقات کی نسبت
 حاصل ہے شاید انگریز ہندوستانیوں اب ہی طریقہ اختیار کر سکتے ہیں
 لیکن تمام بڑی ایشیائی گورنمنٹوں اور بہت امت مختلف ذاتوں اور
 قوموں کے حکمرانوں کی نظیر کے مشابہہ سے ہم ایک اور قاعدہ
 سکھ سکتے ہیں یعنی یہ کہ بعض حالتوں میں بادشاہ کا اول قوم مذہبی

اعتراض پر بلا تو سوا حکومت اور بخوبی نگرانی کرنا جس سے کہ او کو ہر
 قدم پر کام پڑتا ہے ایک ملکی مصیبت کا معاملہ ہے مسئلہ مسائل کا
 معاملہ نہیں ہے بلکہ سرکار کا ایک مسلم فرض ہے اس حقیقت کا پتہ دینا
 ایک طرح سے اصلی پولیٹیکل فائدہ کا ترک کر دینا ہے جو ہمارے کل
 بیطرفداری کے اصول سے چلن ہوتا ہے یعنی یہ کہ ہم تمام فریقوں
 کے مذہبی اہتمام کی نگرانی اور ذمہ داری بالکل غیر جانب داری اور اپنی
 رعایا کے اعتماد کے ساتھ کر سکیں بلا مشبہ اوس پرانے طریقہ کے
 موقوف ہونے پر افسوس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جس کے موافق
 سرکاری افسر مذہبی کارخانوں کے اسم یا سنی، شیخ اور ایجنٹ تھے
 یہ طریقہ صحیح طور سے متروک ہوا لیکن مذہب اور گورنمنٹ کے درمیان
 تمام تاریخی رشتہوں کا کاٹ دینا اور حاکم وقت کی تحت سے تمام نشانی
 مذہبوں کو نکال لینا ایک اصول کو ہندوستان میں حد سے بڑھا دینا ہے
 جہاں نہ تو وہ بھجا گیا ہے اور نہ کوئی اوس کا طرفدار ہے اور نہ ہی کسی
 یورپ کے ملک میں اوس کے رواج دینے کی ایسی کوشش کی گئی جہاں
 کہ اوس کا طرفدار ایک بڑا فریق ہے جسکی تعداد دوبروڑ بڑھتی جاتی ہے



ہندوستان میں مذہب کی حالت

(مضمون سالہ فوٹ نائٹلی ریویو میں شائع ہوا)

کوئی شخص اوس غیر معمولی مذہبی ابتری کو جو ابھی تک سارے
ہندوستان کے وسیع براعظم میں پھیل چوٹی ہے تو جس کے ساتھ
تفتیش نہیں کر سکتا بغیر اس امر کے جاننے کے کہ یہ ابتری ہندوستان
کے پورے حالات کی ایک مناسبت خاص ممیز علامت ہے کیونکہ نگار
کہ ابتدائی و حشرانہ بت پرستی مع اپنے تمام بے راہگی کے جو خصوصاً
ترکیب و نیز برتری خیالات میں قاصر و نامکمل تھی کئی سو برس پہلے
کہ یورپ اور تمام مغربی ایشیا میں تمام و کمال منہدم ہو گئی لیکن
جہاں کہیں اور جب کہیں ہم اس سرحد کے آگے بڑھتے ہیں یا ہندوستان
کے کنارہ پر اوترتے ہیں تو ہم کو وہ تمام باقیہ انگلوں سے نظر آتی
ہیں جنکا تذکرہ ہم قدیم کتابوں میں پڑھتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم

مسلمانوں نے بتدریج قدم رکنے کو جگہ کی اور ان کی پایداری نہایت
ڈواڈوان ڈول تھی۔ ان کی ہندوستان بہر کی ملکی فتح کبھی مکمل نہ ہوئی اور
عموماً انہوں نے ہندوؤں کے مراسم اور مذہب کی مخالفت میں
بہت کم کامیابی حاصل کی مغربی ممالک میں ان کی غالب پوزیشن نے
مغلوب قوموں کے قدیم مذہبوں کو بالکل و باکرا مال کر دیا مثلاً
زردشت کا قدیم اور سرسبز مذہب ایران میں بالکل نیست و نابود کر دیا
گیا لیکن ہندوستان میں شرک کے منہدم کرنے میں انقدر کم و بقی
ترقی ہوئی کہ جب محمود غزنویؒ نے سومنات کے مشہور مورت کو توڑا
اوسکے مات سوچا جس برس بعد یہی شمالی ہندوستان کے میلان
میں مسلمان بہت پرستون کے ساتھ لڑے تھے۔ ۶۱۷ھ میں پانی پت
کی جنگ عظیم کا شاہد یہ بیان ہے کہ کس طرح مسلمانوں کے سواروں
نے حملہ کے وقت یا اللہ کا غل مجایا تھا اور کیونکر مرہٹے دھاوے کے
وقت ہر ہر مہادیو کی جے بولتے تھے۔ دونوں فوجوں نے مختلف
معبودوں کی اعانت کی التجا کی ہندوستان کے دیوتاؤں کے
اب بھی ویسے ہی دو مختلف گروہ تھے جیسے کہ رٹاکے کی لڑائی کے
زمانہ میں۔ ہندوستان میں اب بھی یہ بات ایک روزعرہ کا فخر
ہو سکتی ہے لیکن ایسی جنگ صدائیں سیکڑوں برس سے اون لڑائیوں

۷
 محاورہ عربی سے چمکا
 حالِ رفاقی فرم
 ہو تو سے اپنے
 چمکا لے دیر
 میں کھائی و چلا
 یونینوں کے
 بیان الیاسی
 ہجرت کیا کہنود
 کے بیان اور
 کا دفتر ۱۱

نہیں سنی گئیں جو یورپ یا مغربی ایشیا کے میدانوں میں لڑتی گئیں
 گو جنگ کے امتحان کے ذریعے ہر لوگوں نے ان امور کے فیصلہ
 کے لیے سخت کوشش کی ہے کہ وحدہ لا شریک کا کونسا کلام سچا
 ہے اور کانی کون تھا اور اس کے کلام کے کیا صحیح و معتبر معنی ہیں۔
 لیکن نو اسلام کی تلوار نے ہندوستان کو تاج و کمال کہی مخلوق
 نہیں کیا اور گو ایک حرف جزو اسلامان ہوا لیکن متواتر مقابلہ سے
 اس کے کارخانوں کا ڈھانچہ بگڑ گیا مسلمانوں نے مذہب ہندو کو پیچ
 کر دیا لیکن اور اس کے عوض میں کوئی جدید مذہبی سلسلہ قائم کرنے میں
 کامیاب نہیں ہوئے جیسے کہ اور ملکوں میں وہ ہوئے تھے۔ اور فوجی
 قسمت آزمائوں کو جنہوں نے شمالی ہندوستان میں شاہی خاندانوں
 کی بنیاد ڈالی اور دکن میں بادشاہتیں قائم کیں روحانی معاملات
 کی طرف نہایت کم توجہ تھی۔ انہیں اکثر دن کوئی واقعہ تو مرید بنانے
 کے واسطے وقت و فرصت تھی کیونکہ وہ ہمیشہ غیر ملکوں کی فتح یا
 خانہ جنگیوں میں مشغول رہتے تھے۔ یہ لوگ عموماً غیر مذہب تائاری یا غل
 تھے۔ وہ خود حضرت محمد کے مذہب میں پکے تھے اور انہیں وہ سچی
 سرگرمی چھو لگی تھی جسے عرب کے پہلے پہل علم اسلام کے اور شاہ
 والوں کے دلوں میں جوش نہ بھی پیدا کیا۔ جو سلطنت انہوں نے

قائم کی وہ محض جنگی تھے اور ان کی فتوحات کی اوہوری کامیابی اور
اونکے مذہبی حملہ کی کسی قدر ناکامی نے اوس جنگی سلطنت کو اوس
حالت میں رکھا۔ ان کو صرف اتنی طاقت حاصل تھی کہ ہندوؤں میں مذہبی
اجتماع کی مانند کوئی چیز پیدا ہونے میں اور جگہوں کو جمع ہو کر توہین
بننے سے روکیں لیکن ہندوستان کو مسلمان کرنے سے وہ ^{بے}انتظار
دور تھے کہ خود مسلمانوں ہی میں ان کے اعتقاد نے ملکی انتظام کے
اعلیٰ اہم دکانپورا اور بلاشرکت غیرے اجارہ حاصل نہیں کیا۔ وہ چند
اصد یون تک صرف اسی شخصی سلطنت قائم رکھنے میں کامیاب رہے
جس کا انتظام چند بڑے بڑے افسر کرتے تھے اور جس کو یکدھاری اور
دہ ہزاری پشینئی فوجی افسر گہیرے ہوئے تھے جو بادشاہ کی جانب سے
بجگہ دی خدمت جاگیر میں حاصل کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ خود تخت
شاہی بھی مشکل سے موروٹی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس کی نسبت بار بار
سنایت کامیابی سے جھگڑا ہوتا تھا اور وہ ایک خاندان سے دوسرے
خاندان کے قبضہ میں آجاتا تھا۔ ایسی سلطنت جیسی کہ یہ جو گہر ^{۱۱}میں اور
بیرونجات میں بالکل زور و جنگ کی قسمت آؤ مہلی پر خضر تہی ہمیشہ وحالی
اشرور سے مبرا رہی ہوگی کیونکہ ایسی حکومت کا کل انتظام مذہبی نشوونما کو
روکنے والا تھا اور مذہبی سوانعت کو نہ پیدا ہونے دیتا تھا اور فی الواقع

ہندوستان کے مسلمانوں میں ابون کا مذہب امور ملکیت میں کبھی
 قوت پر نہ تھا۔ وہ بڑے مذہبی جماعت علماء کی جو سلطنت عثمانیہ کی عمارت کا
 ایک رکن بن گئے تھے وضع قوانین و تعبیر روایت و ہدایت مرام
 و فرائض دینی و انتظام اوقاف کے ذریعے اور دیگر منہج پر اپنے
 مسلم اختیار کے سرچھی اظہار کے ذریعے دنیاوی حکمران کے تحت
 نہیں بلکہ اوسکے ہم رتبہ تھے یہاں تک کہ ایک زمانہ میں تخت نشین ہمشہ
 علماء سے خائف رہتا کیونکہ اوسکے فتاویٰ کے موافق بادشاہ تخت پر
 بیٹھا یا جاتا یا تخت سے اتارا جاتا تھا جب سلطانوں کی فوجی سرگرمی کم
 ہوتی علماء کی قوت کو ہمیشہ ترقی ہوتی اور اب تک بھی علماء کا بہت رعب
 داب ہے اونکا سردار شیخ الاسلام ترکی کی پریمی کونسل کا ممبر ہے
 اور اوس قانون کے معنی بیان کرتا ہے جسکی پابندی بادشاہ اور رعایا
 دونوں پر واجب ہوتی ہے لیکن جب انگریزوں نے ہندوستان
 میں شہنشاہی پائی تو علماء کی مانند کوئی گرفتہ بیان نہ پایا اور نہ کبھی ایسی
 میٹرانوں میں ملتی ہوئی قوتوں کا پتا ملانہ یہ معلوم پڑتا ہے کہ کبھی ہندو شاہ
 میں اعلیٰ درجہ کے عروج میں ہی مسلمانوں کی حکومت نے ایسا سنگ
 پیدا کیا جس سے اوسکے اصول مذہبی کی رفته رفته صلحدہ عمارت قائم
 ہوئی جو یا جسکا اثر و یر پار ہوا اونی مذہبی جماعتوں کا کبھی انتظام نہ کیا گیا

ع
 ۲

اور نہ کہی اوسکی مقررہ اعانت بشکل ٹیکس اور عشر منجانب مومنوں کے
 ہوئی کیونکہ گو بڑے بڑے عطیات اور جاگیریں عبادت اور خیرات
 کے واسطے دی گئیں مگر کہی ہم نے کسی بڑے مدرسہ یا متفق مجمع
 کی بابت نہ کہ اوسنے شرع کی تشریح کی ہو یا اوسکی پابندی
 کرائی ہو۔

اگرچہ مسلمان کہی اس لائق نہ تھے کہ اپنے مذہبی مراہم کو ہندوستان
 میں قائم کرتے اور اوندکو ترقی دیتے جیسا کہ اونہوں نے اون ملک
 میں کیا جنکو اونہوں نے بالکل اپنا مفتوح کر لیا تھا لیکن ہندوستان
 کے اہلی اماموں (یعنی برہمنوں) کے اختیار کو گٹھانے اور درہم برہم
 کرنے کو اقل درجہ کافی قوت رکھتے تھے۔ چاہے جو کچھ برہمنوں کی
 امامت کا زور کسی زمانہ میں رہا ہو لیکن یہ یقینی امر ہے کہ مسلمانوں
 کے عرصہ و راز تک تسلط اور اوندکے نو مسلم کرنے کی کامیابی نے
 برہمنوں کے عوام الناس کی نگاہوں میں عزت اور تہرک عجب داب
 کو بہت کم کر دیا ہو گا۔ انکی کسی قسم کی امید کہ وہ لوگ آخر کار مذہب
 ہندو کو کسی اعلیٰ تر درجہ اعتقاد پر پہنچا دیں گے غریب کے باشندوں
 کی فتح کی وجہ سے ہل و منتشر ہو گئی ہوگی جسکی کہ اون دیر پاتا ہوں
 جنگوں اور پوپل فسادوں کا اثر جسے کہ مسلمانوں کے عہد کی تواسخ

بہری ہوئی ہے یہ تاکہ تمام مذاہب منتشر و تباہ حالت میں رہیں کل
دوران سلطنت اسلامیہ میں مذہبی لاپرواہی پائی جاتی ہے جو بلا
مسلمانوں کی تعدی پسند حکمرانی کے قابل تعجب ہے۔ البکہ جو جب
بڑا بادشاہ ہندوستان کا ہوا ہے معقولیہ تھا اور مذہبی معاملات میں
اوس درجہ تک تحمل و بردبار تھا کہ جس سے ہندوستان میں مذہب
اسلام کی غلام کیفیت اور اوس کیفیت کے مقابلہ میں جو اوس زمانہ
میں اونکے اور ملکوں میں تھی صاف فرق پایا جاتا ہے۔ اور گنیمت
کامیاب ریچرڈ سوم تھا اوسکی ظاہر داری اور دور روی چال نے
تحت حاصل کرنے کی بندش میں مسلمانوں سے کام لیا لیکن اوسکی
پارسی کے افعال نے مذہبی جوش زیادہ تراو سکے خلاف مذاہب
موافق پیدا کیا۔ جب اوسنے شائع میں انتقال کیا تو ایسی سلطنت
میں بڑی ابتری اور غماہی واقع ہوئی جو رور وقت پر مبنی تھی اور
کوئی رشتہ اتفاق نہ تھا جو زیادہ چکھڑا اور یکا مک ٹوٹنے کے کم
قابل ہوتا اگر ہم مسلمانوں کی کمزور اور ناقص اسلامی محبت کو مستثنیٰ
کر دیں۔ اون واقعات کی ماہیت اور نتائج کا جو پڑش حکومت کے
پیشتر واقع ہوئے شاید شاہی کافی طور سے تخمینہ کیا گیا ہے۔
(ایسی پوپیکل بنگلی کلک ایک زمانہ درمیانی آیا جو زیادہ عظیم اور زیادہ

سچے ہیں
 جو ان کو ملے
 ایک بے خبر اور
 دوست اور کو
 میں گوارے
 بہت ہی باتے
 اور کچھ کو
 جنگ میں مار گیا
 وہ کہہ دیں
 آجستان شاہ
 پیر پور شاہ

اس طرح گزشتہ صدی کے آخرین ہندوستان عام ایک لاکھ
 مذہب سے اوسی قدر دور تھا جیسا کہ پہلے کہی تھا اور جس طور پر ہندوستان
 میں قومیں تھیں ابھی طور پر ہندوستان کے کل براعظم کے صوبہ یا
 خطے میں وہ چیز تھی جسکو ہم یورپ میں ایک معین اور تمیز قومی ملت
 کہتے ہیں یہ فرض کر لیا جاسکتا ہے کہ قوموں کا بنا مذہبی اعتقادات کو
 ایک مرکز کی طرہ راج کرنے میں بہت مدد دیتا ہے اور جبکہ ایک قوم
 ایک مرتبہ پولیٹیکل وجود حاصل کر لیتی ہے تو جلد وہ ایک ایک مذہب
 سے اپنے تئیں آراستہ کر لیتی ہے اور زیادہ قومی فرقہ آہستہ آہستہ
 تمام اپنے مقابل کے کمزور فرقوں کو ملا لیتا ہے ہندوستان
 میں اس بات کی علامتیں اور وقت پائی جاتی تھیں کہ سلطنت مغلیہ
 کے شکست ہونے سے آخر کار اقوام پیدا ہو جاویں کیونکہ بعض
 بڑے جبکہ ایک سرگروہ کی ماتحتی میں جمع ہونے جاتے تھے
 اور بلحاظ ملک اور حکومت کے قرار حاصل کرتے جاتے تھے لیکن
 شیک اوسی وقت انگریزوں کی مداخلت نے ہندوستان کی
 تاریخ کے کل واقعات کا رخ پھیر دیا۔

پس تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اس طور پر وہ پولیٹیکل انقلابات
 جنکی وجہ سے ہندوستان ہمارے ہاتھ آیا اس سوال کی تشریح

Checked
1987

کرتے ہیں کہ کیوں ایک ایسا ملک جسے دو ہزار برس کا عرصہ ہوا
 تمام مشرقی ایشیا میں دو نہایت وسیع و عام پسند مذہبوں کو یعنی
 مذہب برہمن اور بودھ مت کو نشوونما اور اشاعت بخشی ہو اب
 یہی مذہبیں باہری سے جھگڑ رہا ہواؤں کیوں ایسے کامل طور پر جمع کرنے
 اور قائم کرنے میں ایسے مذہبی ضابطوں اور کارخانوں کے ناکام
 رہا ہو جیسے کہ نہ صرف اور آریا ملکوں میں بلکہ تمام مغربی ایشیا میں میل
 پا گئے ہیں ہندوستان اب تک پرانی دنیا کے متعدد دیوتاؤں اور
 ان کے قصوں سے اور عجیب اسراروں سے اور حکیمانہ پرہیزگیاؤں
 سے پُر ہے جنکی ایک تہ دوسری تہ کے نیچے نہیں جھی ہے (جیسا کہ
 اوس مذہبی تہ بندی کا حال ہے جس میں کہ یہ تمام پرانے سپرورڈ
 میں ہی ابھی پائے جاتے ہیں) بلکہ مخلوط اور ایک دوسرے سے
 بلا کسی ترتیب یا پیوستگی کے ملے ہوئے ہیں یہ وہ مذہب عیسوی
 جسکے کہ ہم انگلستان میں آج کل مستند ہیں ایک نہایت دراز عرصہ
 نشوونما کا نتیجہ ہے اور ایک ایسے درخت کا پھل ہے جسکی جڑیں دنیا
 کے ابتدائی زمانہ تک چلی گئی ہیں تاہم وہ فاصلہ جو درمیان پرستش
 انگلستان اور توریت کے زمانہ کے کوالف اور طریقوں کے
 واقع ہے اوس فرق کا غیر مناسب پیمانہ نہیں ہے جو مذہبی ترقی

۴
 ۵
 ۶
 ۷
 ۸
 ۹
 ۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

لیکن میں درمیان انگریزوں اور ہندوؤں کے واقعے سے تشکیلا میکہ
 کی حکایت کو جو جوں کی کتابت کے بستر ہوین اور اٹھارہویں بابوں
 میں درج ہے دیکھو کیونکہ اس کے بیان ایک تبخانہ تھا اور تقریباً
 بتائی تھیں اور اپنے لڑکوں میں سے ایک کو اپنا پوجاری بنایا تھا
 کیونکہ اس نے بعد ایک خانہ بدوش لکڑیٹ کو اپنا پرورست بنایا
 اور کیونکہ ایک دن چہ سو مسلح ڈیناٹ اس کی مورقوں کو مع اس
 کیوٹ کے لیکئے اس قصہ کو سن کر جبکہ یہ اتوار کو عیسائی جماعت
 کے سامنے پڑھا جاتا ہے انسان کو اولیٰ عجیب سلسلہ واقعات اور
 تخیس خیالات پر بھیچے نظر ڈالنے سے حیرت اور محویت ہوتی ہے
 جن واقعات کی وجہ سے ایک قدیم فرقہ شام کی یہ داستان بڑھتا
 کے دیہات میں ہفتہ وار پڑھی جاتی ہے یہ حکایت اس شکل میں ہم
 تک ایک دور دراز ملک اور زمانہ سے آئی ہوگی جس طرح سے کہ
 ایک گرم اور محض خشک میدان میں ایک بڑے دریا کا سوتا ضرور
 بہت دور کے پہاڑوں میں سے نکل کر آتا ہے اور جس طرح سے
 ایک شخص دریا سے سندھ کے برف سے نکلے ہوئے پانی کو چلے
 رہا ہے دریا کے درمیان میں موسم گریما میں پوری دھار سے
 بہتا ہوا اور اپنے منبع سے جو ملک بہت میں ہے دو ہزار میل کے

۲
 یہ کتاب
 اب کیوں
 میں کو
 کتب خانہ

فاصلہ پر دیکھ کر خوش ہوتا ہے اویسی طور سے اس کا دل ایک وسیع
 فاصلہ زمین و زمان کے خیال سے بہر جاتا ہے اور اس خوشنما تقریر
 سے جو ماضی و حال کے درمیان واقع ہوا ہے اور وہ طویل اور اہل زمانہ
 زمانہ تاریخی جو میکہ کے بتانہ واقع کوہ فریم اور ایک انگریزی پرنٹ
 کے گرسے میں سہ پہر کو انجیل کے سبق پڑھنے کے درمیان حاصل
 ہے کیا دل پراثر کرتا ہے۔

لیکن ہندوستان میں یہ بات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مذہبی ترقی
 کے اس دریائے گوہ پر زور اور دائی ہے اپنے لیے ایک صاف ہار
 نہیں نکالی کہ جہین وہ نہت سا پانی جمع کرے اور ہمیشہ بہہ جاوے
 یہ صرف مثل ایک وسیع ترائی کے ہے جو نیچے ہمالیہ پہاڑ کے پھیل گئی
 ہے اور ہمالیہ ایک ایسا سلسلہ پہاڑ کا ہے جو دنیا کے ایک خاص
 مذہبی خطہ کی مدد حاصل ہے میکہ کے قصہ درمیانی سے اہل یورپ کو
 حیرت ہوتی ہے اور وہ انکی سمجھ میں نہیں آتا ایک لائق مفسر ڈاکٹر
 کے لفت انجیل میں نگہستان کے مستند مراسم دینی سے صحیحاً
 مخالف مراسم میکہ کا تطابق نہیں کر سکا ہے اور نہ دنیا کی کادری
 کی تصریح کر سکا کہ لکھتا کہ ہم مغرب کے بنی والے تریب اور امن کی برکتوں
 مذہب کے ساتھ متعلق کرنے کے علاوہ بنی لیس ہمارے مذہب کو

یہاں مذہبی ترقی
 کی ذمہ داری
 ان کی ہاں
 ہے

یہ بات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ بے قانون لیٹرے کیسے پائے
 مذہب تھے۔ ہم یہاں اس بات کی بحث کرنے کے لیے ٹھہرنا نہیں
 چاہتے کہ تاریخی واقعات سے انسبات کی کہ امن اور ترتیب
 کے ساتھ مذہب کا فطری تعلق ہے کما تنک بقیدیق ہوتی ہے
 اور ایک مغربی شخص کا خیال اس بارہ میں کما تنک درست ہے
 اس مصنف کی رائے میں مذہب ظاہر الیک محدود مجموعہ اخلاق کا
 ہے جو ایک مقررہ سلسلہ الکیات پر مبنی ہے اس مصنف نے اس
 بات پر جاننا نہیں کیا کہ آفات اور مشکلات سے ہی تو مذہبی خیال پیدا
 ہوتا ہے۔ گو ایک یورپین جنسل کی نگاہ میں شامی طریقہ زندگی کی
 یہ تصویر تین ہزار برس کے گہرے دہندلی معلوم ہوتی ہے لیکن
 کسی شخص کو جو ہندوستان کے کسی بے آئین حصہ میں رہا ہے
 غیر مانوس معلوم نہوگی اور اس کے ظاہری اختلافات اور کمی صدا کا
 عمدہ ثبوت ہوئے تو ٹری ہی ضروری تبدیلی کے بعد اس قصہ کے
 جزویات بھی ہندوستان کی کیفیت کے مناسب حال ہو جائیں گے
 اور راجپوتانہ میں اوکو سنکر کسی کو تعجب نہوگا گو مغربی دنیا کے
 طالب علموں کی سمجھ میں یہ واقعات مشکل سے آتے ہوں۔ میکہ کے
 درانے سے مذہبی خیالات اور مذہبی ترتیب اور درستی کی علامتی

میں ہندوستان نے ایسا صاف قدم نہیں بڑھایا جس سے کہ
 اس کی تمام آبادی قرار واقعی طور پر ایک بلند تر روحانی پسنال پر جاگزیں
 ہوتی صدیوں کے عرصہ دراز میں روحانی معاملات میں ہند
 جنگل میں بہکتے رہے تھے مگر انہوں نے کوئی باقاعدہ عمارت
 نہیں بنائی نہ کوئی عام آراؤنش ترتیب مذہب کو دی نہ کوئی ایسا
 معبد بنایا جہاں کہ ان کی تمام اقوام جا سکیں۔ برخلاف اسکے تمام
 اور قوموں سے جو ہندوؤں کے برابر کی بلکہ ان سے کم تہذیب
 کی تھیں اور ان سے کم عقل تھیں کوئی نہ کوئی ایسی عمارت اپنے
 واسطے طیار کی تمام سرزمین ہندوستان پیشاں مندرون مٹھوں
 اور معبدوں سے پریش کے مقاموں اور قربان گاہوں سے
 بہرا پڑا ہے۔ لیکن جس طرح ہندوستان کے قدیم معبد گاہوں کے
 کندروں سے طرز عمارت کی قدیم و ناخیر کے کسی صاف با ترتیب
 سلسلہ کا پتہ نہیں چلتا (کیونکہ بسا اوقات زیادہ پرانے معبدوں کی
 عمارت زیادہ مل ہے) اسی طرح روحانی خیالات کے کسی صاف
 اعلیٰ درجہ کی طرف جانے والے سلسلہ کا شان نہیں لگتا۔ ہر روز کے برتاؤ
 کے عقائد اور رسوم، قدیم اور جدید تقصبات کی پیچیدہ کی مانند ہیں
 وہ بعض ایسے مندرون سے مشابہت رکھتے ہیں جو زیادہ پرانی عمارت

کے کندھوں کے مصالح سے یا اونپر خوب بنے ہوئے آج نظر آتے
 ہیں۔ پتھر چنبرہ ایک دیوتا کے نشانات کندھ میں ایک دوسرے
 دیوتا کے مندر میں جڑ دیئے گئے ہیں جس طاق میں کسی زمانہ میں
 بندہ کی صورت رکھی تھی اب مہادیو کا لنگ رکنا ہے اور مزید برآں
 پتھر کی چوکت اور ستون تو قدیم ہندوؤں کی طرز عمارت کے ہیں
 مگر اونپر گندھستانی طریقہ کے رکے ہیں۔ یہ کسی طرح فرض نہیں کیا جاتا
 کہ اعلیٰ درجہ کی زندگی یا زیادہ خالص ہوا میں چڑھنے کی طرف ہندو
 میں رجحان طبیعت میں پایا گیا یا کوشش نہیں کی گئی برعکس اسکے
 ہندوستان کی کل مذہبی تاریخ ایسی جدوجہد سے مخلو ہے ایک
 اور مقام پر مذہب ہندو کا کل سماں ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ ہمیشہ
 متواتر حرکات اور تغیرات سے اور مذہبی فروعات کے زندہ رہتا ہے
 جو اپنے وجود کے لیے دائمی تنازع میں رہتے ہیں جن میں عمدہ خیالات
 (کو اور خیالات کی صورت اور نسل بگڑ گئی ہے) ابتدائی نشان ابھی
 تک باقی ہیں اور ریشیوں اور بگتوں کے گروہ میں جو ہندوستان
 کی ضعیف الاعتقادی سے پیدا ہوئے ہیں بسا اوقات ایسے عارف با
 پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ایک نئی روشنی کی جھلک دکھائی جنہوں نے
 کسی بڑے اخلاقی اصلاح کے لیے شور و غل مچایا جنہوں نے حرام انکار

کے دلون میں ایک جاگزیں تحریک کو پیدا کیا اور اسکو متحرک کر
دی۔ ایسے مرد ہندوستان کی سوسائٹی میں اپنے نشان چھوڑ
ہیں اور انکی پختہ قائم ہیں لیکن اونکا سچا جذبہ بندہ بے بدست گھٹ گیا ہے
شعبہ ہاتھوں ہاتھ جاتی ہے لیکن جاہلانہ خوف کی تاریکی میں انکی
روح نشی دن بدن دہندلی ہوتی جاتی ہے اور متعدد شخصوں میں
اوسکے اسرار سے واقف ہو گئے ہیں وہ بطور ایک پنهان شرارنگ
کے باقی ہے اور عوام الناس کے لیے جو مضرت رسان دیتا ہے
سے بوجہ حالات کے ہمیشہ مخالف رہتے ہیں بطور ایک بڑھگونی کے
باقی ہے جب سے کہ ہندوستان میں بودہ مت کو زوال ہوا کسی
مذہبی طریقہ نے وہاں کے باشندوں کے دلون پر ایسے جبر قیل
کی سی متحرک قوت حاصل نہیں کی جو کہ ہندوؤں کے گرد عظیم کو تقببات
کے نشیب سے صاف نکال کر کسی باترتیب اور ترقی پذیر اعتقاد کے
مضبوط طرز میں پرہنچا دے۔

پس اوس شخص کے لیے جو ہندوستان کو معائنہ کرتا ہے بہت
سی وجہات سے قابل ذکر صورت و کیفیت اوسکی مذہبی حالت ہے
اور میں نے اس رائے زنی کی جرأت کی ہے کہ تمام ہندو مذہب کی
اس خراب و خستہ و بے ترتیب حالت کے اسباب زیادہ تر اوسکی

منسوب کیے جاسکتے ہیں برعایا کی پولیٹیکل مصیبتوں سے اس تکلیف
 بے ترتیب اور پرانڈیشہ زندگی بنے جو ان کے گردہ نے بہت سی
 صدیوں سے بسر کی ہے یہاں تک کہ فوجی جذبہ کا بے اعتدالی سے
 عرصہ دراز تک غلبہ رہا۔ بالخصوص اٹھارہویں صدی کی شوالٹر کنگڈم
 اور لڑائیوں نے مذہبی اتحاد کے اجزاء کو پرزے پرزے اور ٹکڑے
 کر کے پھینک دیا اور اس سبب سے مذہبی ترقی کو زورک دیا۔ لیکن حکم
 انگریز ہندوستان کے ملک ہوئے تو انہوں نے مصریہ اجمیر کی
 طرح ہندوستان میں کوئی پنجابی یا قاعدہ کٹر یا منحہ مذہب مقابلہ
 کے لئے یا کوئی عظیم رعب دار پوجاریوں کا فرقہ منظم نہ پایا۔ اسلام کا
 پولیٹیکل غلبہ جاتا رہا تا اور باستان سے ایک یا دو قوی کینہوں اور تکی
 جہ گون کے مذہب ہندو نہایت اتیری اور نا اتفاقی کی حالت میں تھا۔
 اگر یہ قیاس صحیح ہے کہ ہندوستان کا یہ مذہبی زوال اور
 پولیٹیکل بد بختیوں سے جو پستہ پشت سے عائد ہوئی ہیں قریب قریب
 متعلق ہے تو دل میں یہ خیال کیے بغیر نہیں رہا جانا کہ مستقل اور زور
 انگریزی انتظام کی وجہ سے جو قرار واقعی ترتیب اور امن و امان جلد
 ہندوستان میں برقرار ہوئے اس کے کیا نتیجے ہونگے۔
 ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دیوتاؤں کے اس عجیب گرد و آلودہ

اختلاف رسوم کو جو ہندوؤں میں پائی جاتی ہیں بطور تصویر درم اور یونان کے قدیم بت پرستی کے خیال کر سکتے ہیں جو بیان قصیر یہ کہ یو سوسٹس نے اپنی کتاب بطریقہ فیثا میں اوس بے انتظام فوق الفطرت مذہب کا کیا ہے جو دین عیسوی کی فتح کے قبل مذہب و نیا میں مروج تھا وہ قریب قریب لفظ بلفظ آج کل کے ہندوستان کے لئے چسپاں ہے، وہ تحریر کرتا ہے کہ کیونکر مشرک لوگ زمین میوؤں کو اپنے مکینہ جذبوں کو اور جانوروں کو دیوتا بناتے تھے اور کیونکر چند آدمیوں کی نسبت انہوں نے یہ شہر کیا۔ کہ بعد انسانی چولا چوڑنے کے وہ دیوتا اور نیم دیوتا بن گئے یہ خیال کر کے کہ ربانی بوباس مردوں کی قبروں کے اعلیٰ نعل اور مقبرہ زمین گونجتی پھرتی تھی۔ اور کیونکر وہ لوگ آدمی اور جانوروں کی صورتیں بنا لیتے تھے اور غیر محسوس ہوتے پریتوں کو قربانی دیتے تھے اور انکی رسمیات کیسی شرم کی باتیں بنیں، اور انکے چٹا دے کیسے غونی تھے۔ اوسنے اور بن حکیموں کی بھی بھوکے ہے جو حق کی جستجو میں بلا کسی تجربہ کے صرف چکنی چہرہ می باتوں کے ذریعے سے تمام چیزوں کی اصلیت دریافت کیا دعویٰ کرتے تھے اور یہ فیصلہ کرتے تھے کہ اگر ام ہی خاص عمدہ چیز ہے بر خلاف اوسکے اور لوگ یہ کہتے تھے کہ محض کی بات

ہی خدا ہے اور بعض کہتے تھے کہ ماذہ پر دست قدرت کسی کا نہیں
 لگا ہے۔ یہ بیان ہندوستان کی آجکل کی حالت سے ایسا
 چپان ہے کہ ہر شخص جو اس ملک کی تمام حالت پر نظر ڈالے گا
 اس مشابہت سے متحیر ہوگا اگر ایک خیالی استعمارہ استعمال کیا
 جائے تو وہ خیال کریگا کہ وہ اون دور کے ستاروین سے لکڑی
 پہنچا کر جنگی روشنی ہماری دنیا میں سولہ سو یا اٹھارہ سو برس میں
 پہنچتی ہے پس جو کچھ کہ اس دنیا میں ہو رہا ہے اس کے انعکاس کو
 اتنی ہی صدیوں تک سفر کرنا ہوگا قبل اسکے کہ وہ اس فرضی ستارہ
 سے دیکھنے والے کی آنکھ پر پہنچ سکے اور خیال کرے کہ باشندے
 اگر اون کی قوت باصرہ اس قدر قوی ہو کہ جو کچھ زمین پر گذر رہا ہے
 اون کو تمیز کر سکیں اس گہری تمام سلطنت روما کو مع اون تمام
 ہتھیار مندروں اور قدیم کفر و شرک کے اعلیٰ مقاموں کے سامنے
 پسلا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یوں سوچیں لگتا ہے کہ تعجب کا مقام تو یہ ہے
 کہ اس مکروہ شرک کے زمانے میں لڑائی جھگڑا فساد بیل چل اور
 شہروں کی بربادی جاری تھی لیکن اس کفر و شرک کی بربادی
 اور انہدام کے ساتھ کامل امن حاصل ہوا جس میں ہر عہدہ گیر ملای
 سر سبز ہوئی۔ بلاشبہ جو اصل نتیجہ ایشیاء فیروزہ نے اس سے نکالا

کہ ہندوستان کی حالت سے ایسا چپان ہے کہ ہر شخص جو اس ملک کی تمام حالت پر نظر ڈالے گا اس مشابہت سے متحیر ہوگا اگر ایک خیالی استعمارہ استعمال کیا جائے تو وہ خیال کریگا کہ وہ اون دور کے ستاروین سے لکڑی پہنچا کر جنگی روشنی ہماری دنیا میں سولہ سو یا اٹھارہ سو برس میں پہنچتی ہے پس جو کچھ کہ اس دنیا میں ہو رہا ہے اس کے انعکاس کو اتنی ہی صدیوں تک سفر کرنا ہوگا قبل اسکے کہ وہ اس فرضی ستارہ سے دیکھنے والے کی آنکھ پر پہنچ سکے اور خیال کرے کہ باشندے اگر اون کی قوت باصرہ اس قدر قوی ہو کہ جو کچھ زمین پر گذر رہا ہے اون کو تمیز کر سکیں اس گہری تمام سلطنت روما کو مع اون تمام ہتھیار مندروں اور قدیم کفر و شرک کے اعلیٰ مقاموں کے سامنے پسلا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یوں سوچیں لگتا ہے کہ تعجب کا مقام تو یہ ہے کہ اس مکروہ شرک کے زمانے میں لڑائی جھگڑا فساد بیل چل اور شہروں کی بربادی جاری تھی لیکن اس کفر و شرک کی بربادی اور انہدام کے ساتھ کامل امن حاصل ہوا جس میں ہر عہدہ گیر ملای سر سبز ہوئی۔ بلاشبہ جو اصل نتیجہ ایشیاء فیروزہ نے اس سے نکالا

وہ یہ ہے کہ مذہب عیسوی نے دنیا میں امن قائم کیا اور نہ کوئی
 شخص اس پیچیدہ پولیٹیکل اثر سے ایجا کر سکتا ہے جو ساری تاریخ
 میں سب سے بڑے مذہبی اور اخلاقی اصلاح نے ضرور ڈالا ہوگا
 لیکن وہ بہت زبرد کے ساتھ یہی کہتا ہے کہ کیونکر روس فتوحات
 نے ان تمام قدیم سدر اہوں پر جنہوں نے جاعتوں کو تفرق اور
 متعبد کرنے کی وجہ سے تمام قدیم دنیا کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے
 تھے ایک ہماری کچلنے والا اور ہوا کر کے والا بیلن پیر اور جدا
 کرنے والی دیواروں کو مہسار کر دیا اور ہوا اور روشنی کا گذر ہونے
 دیا وہ صاف طور پر یہ بات دیکھتا ہے کہ بے غلغل امن نے بنفسہ
 مستعد و معبود پرستی کی رسوائی زوال اور بربادی پیدا کی کیونکہ وہ
 کہتا ہے کہ انسانی زندگی کی بندیلی اب حالت امن و آرام میں
 ہو گئی تھی اور اللہ عام ایسے وقت میں ظاہر کیا گیا جو اس کے لیے
 موضوع تھا اب حکمرانوں بادشاہوں سرداروں اور گورنروں کے
 گروہ کے گروہ تھے صرف ایک بادشاہت اہل روم تمام جگہ پہلی
 ہوئی تھی اور اس بے امن غیر صلاح جو دشمنی کا خاتمہ ہو گیا تھا جو
 ایسی مدت دراز سے قوموں میں آتی تھی اور جس طرح سر حکم
 ہمارے مسیح کی ہدایت کے موافق ایک خدا کا علم تمام انسانوں کو دیا

سے
 انسانی
 مذہب پر
 سے
 سے

اویسی طرح سے تمام رومن سلطنت پر ایک بادشاہ مسکمران ہوا
 اور سب طرف سے امن و امان رہتا تمام بنی نوع انسان میں دولت و ثروت
 قائم پیدا ہوئے ایک تو پارسیائی کی ہدایت اور دوسرے رومن
 کی سلطنت۔ کوئی شخص جہاں چاہتا اپنی تجارت کا اسباب بھیج سکتا تھا
 یا خود جاسکتا تھا بلا کسی خطرہ کے مغرب کے لوگ مشرق میں آتے
 تھے اور مشرق کے مغرب جاتے تھے۔ المختصر رومی سلطنت کے
 فوائد واسطے اشاعت ایک مذہب کے ایسے عظیم اور بڑی تھے کہ
 گویا مصریچا پیشتر ہی سے اشاعت انجیل کے لئے وہ مقرر ہوئی تھی
 گوئی شخص اسکا معترف نہوگا جبکہ وہ یہ خیال کرے گا کہ حواریوں کا یہ جہنما
 جبکہ تمام قومیں ایک دوسرے کے خلاف تھیں ایک آسان فرشتا
 لیکن خدا نے جو سب پر عادی ہے اس بڑی سلطنت کے خوف
 فریب سے شہر و زمین ہوتی پریت کے پوجنے والوں کے غیظ و غضب کو روک دیا۔
 اس عبارت کو شاید اور طوالت کے ساتھ ہم نقل
 کر سکتے تھے کیونکہ یسوع مسیح کے دل میں یہ خیال کوٹ کوٹ کر رہا
 ہوا تھا کہ رومن سلطنت بطور ایک بڑے جنگی انجن کے اس غرض
 سے مقرر ہوئی تھی کہ ہر پرست و نیاب کے باہمی تنازع اور ٹکرائے
 مخالفین کو دبا دے اور نیست و نابود کر دے اور خوشامد ہوگی

اور ہر شہر کے جدا جدا حکمرانوں کے ظلم کو مسدود کر دے دنیا کی
تاریخ میں ایک وسیع خطہ زمین میں امن و امان اور قانون کے
مستقل اجراء کے مقابلہ میں ان نہایت قدیم تعصبات کا زائل
منہدم ہونا ایک نہایت تعجب انگیز واقعہ ہے گو اس کی وجہ ہم جسطرح
نسے چاہیں بیان کریں وہ تعصبات بوجہ جہالت اور علیحدگی پیدا ہوئے
اور اونکا نشوونما ہوا وہ گویا عکس اور تصویر خیالی تھے جذبات انسانی
کی اور نیز ان غیر قابل تصریح آفات کی جو اوائل زمانہ سے
جلی آئین یعنی ایسے زمانہ سے کہ جسکے پہلے انسان کی یاد کام
نہیں کر سکتی چند صدیوں ہی میں شرک کی کل عمارت و سامان
شکست ہو گئے اور ان مذہب اقوام کے سطح سے غائب ہو گئے
جو کما حفظ و امن اور با ترتیب انتظام ایک وسیع روحانی اصلاح کا
ضروری پیشرو اور رہنما ثابت ہوا۔

اگر ہم ان سوشل و پولیٹیکل تغیرات میں جو مغربی دنیا میں رون
فتوحات کے سبب سے واقع ہوئی تھیں اور جو ہندوستان کے
براعظم میں انگریزی تسلط کی وجہ سے ظہور میں آئی ہیں مطالقت
دیکھلاؤں تو یہ بات نامناسب و بیجا نہو گی کہ ہم اس تطاتی کو طوا
دین اعداؤں نتائج کے احتمالات کی نسبت رائے زنی کریں چنانچہ

صورت میں مثل اونکے پیدا ہو گئے جو اول الذکر صورت میں ظہور پذیر
 ہوئے تھے۔ ہم بالکل اوس کردہ بیروانی کو تبدیل کر رہے ہیں جس میں
 خیالی نقصات پیدا ہوئے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں ہم اسید
 کر سکتے ہیں کہ فوق الفطرت مذہب کی یہ بیرونی صورتیں یکایک
 یکجہل جائیگی اور نیست و نابود ہو جائیگی بغیر اسکے کہ اوپر کوئی بیرونی
 صدمہ پہنچے اور بغیر اسکے کہ اونکے اندرونی نزوال کی علامات بہت
 پیشتر سے نظر آئیں مثل اون بے فکے تو دون کے جو آخر کار
 گرم خطوں میں پہنچ کر اندر ہی اندر اپنی پیئیدی کے گلنے سے یکایک
 اوجھ ہو جاتے ہیں۔ اسوقت مذہب ہنود کا سایہ اب تک کل ہندوستان
 پڑتا ہے عقائد و پرستشوں کا ہوشوار گزار جنگل دنیا ہی گہنا و مضبوط
 نظر آتا ہے جیسا کہ کہی تھا لیکن یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ نیچے
 نیچے اوکی جڑیں قرار واقعی طور پر کافی جا رہی ہیں اب تک غیر یقین و
 غیر تحفظ نے افسوس جنہ کو قائم رکھا جسکو جمالت اور سکون ہے
 پیدا کیا تھا لیکن پُرانا ڈھنگ اب بدل گیا ہے اب اوکی جگہ نیا ڈھنگ
 چلا ہے اخیر مقابلہ جوئے طریقہ امن اور قانون کا ہندوستان
 کی رعایا کے جنگجو اور سرکش جزوئے کیا تھا وہ مٹی کی مٹی ہے
 مٹی کے تھک رہا تھا ہندوستان کی ساری تاریخ میں کبھی بار بار

۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

کے اندر انتی قطعی اڑائیاں نہیں ہوئیں جیسی کہ ان بارہ برس کے
 اندر ہوئیں انگریزوں نے دو خوفناک قواعد ان فوجوں کو اپنی پہچان
 کی اور خود اپنے سپاہیوں کی فوج کو منتشر کر دیا اور دو نو ہندو
 تازہ سلطنتوں کو نیست و نابود کر دیا جو شاید مضبوط ہو کر قوم کا درجہ
 حاصل کرتیں انگریز ہندوؤں کی عارضی حرارت دینی اور مسلمانوں
 کی مذہبی گرمجوشی پر غالب آئے اور انہوں نے ان دو قوتوں کو
 ایک دوسرے کے مقابلہ اور دبائے کے لیے استعمال کیا اور ان
 نے ہندوستان کے ہتھیار چھین لیے اور بالفعل جنگی زمانہ کو ختم
 کر دیا پہلے اب خاصی جہانی حفاظت اور بے روک ٹوک وسائل
 آمد و رفت جاری کر دیے ہیں ہم اب ہندوستانیوں کو حضرت
 اور تعلیم دے رہے ہیں علمی طریقہ اور دقائق شناسی سکھا رہے ہیں
 ہم ان کے واسطے ان پٹانگوں کو کھول رہے ہیں جسکے پیچھے
 مغربی علم کے پانی کا زیادہ تر جاؤ ہو رہا ہے بد شہیتہ اس دریا
 فخر فلسفہ یونانی کے جسکو اہل روم نے اپنی سلطنت میں جاری
 کیا جبکہ انہوں نے اس کے سرچشمہ کو قابل گذار اور اسکے بیاؤ کو اس
 کو بابتا۔ تواریخی رائے زنی کے واسطے اس کے زیادہ تر
 کوئی مضمون خیال میں نہیں آسکا کہ انگریزی تسلط کا ہندوستان پر

اور آخر کار تمام ایشیا کی تہذیب پر کیا اغلب اثر ہوگا کیونکہ اگرچہ
 ہندوستان کی آئندہ مذہبی حالت کی نوعیت یا رجحان کی نسبت
 کسی قسم کی پیشین گوئی کی کوشش کرنا نہایت ہی جرأت کا کام ہوگا
 لیکن یہ امید کیجا سکتی ہے کہ انگریزی تسلط ایسا ہی مستقل ہے جیسا
 کہ وہ بظاہر ہر صورت سے پایا جاتا ہے تو دو یا تین نسلوں میں
 ایک وسیع اور قوی کایا پلٹ ظہور میں آویں گے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ
 مذہب ہندو کے پرانے دیوتا و داعی بروشنی اور ہوائے جدید
 میں ایسے ہی جلد مر جائینگے جیسے کہ جال میں بہنسی ہوئی پھلیاں پانی
 سے باہر نکالنے پر مر جاتی ہیں اور یہ کہ اوس تبدیلی کی وجہ سے جو
 ہندوؤں کی مانند ذہین قوم کے مذہبی حارج میں ان کے حالات کی تبدیلی
 کی وجہ سے واقع ہوگی یہ غیر ممکن ہوگا کہ ان کے نئے عالم میں ان کے
 پرانے دیوتاؤں کو جگہ ملے۔ ان کے ابتدائی مراسم آہستہ آہستہ
 اسی طرح سے مہجہ کار ازل ہو جائینگے جیسے کہ ساحری یورپ سے
 چل دی اور جیسے دیگر توہمات بتدریج منہدم ہوتے جاتے ہیں خود
 اس تحریک میں کوئی بھی بات نہیں ہے لیکن ہندوستان میں جو تیزی
 اور زور کی علامات اوسکی رفتار میں پائی جاتی ہیں وہ بے نظیر ہیں
 کیونکہ اوسکی ناکو یورپ کے چاروں طرف اپنے ساتھ باندھ لیا ہے اور

آخر الذکر جہاز اپنے پورے دہوئیں کے زور سے چل رہا ہے اور
 ہندوستان کی حالت کے لئے یہ خاص دلچسپی بلکہ شاید اندیشہ کا
 مقام ہے۔ دنیا کی ترقی کر نیوالی قوموں کے لئے بعض زمانوں میں
 یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل کی ترازو کو از سر نو ٹھیک کر لیں یعنی جو
 کچھ کہ وہ یقین کرتے ہیں اور جو کچھ کہ وہ جانتے ہیں اس کے دریا
 میں ایک قسم کا میل نئے سرے سے قائم کریں جبکہ علم و یقین کا پلہ برابر
 نہیں رہتا تو اس کی ابتدائی علامت اس چیز میں ظاہر ہوتی ہے جس کو
 بے قراری کی کیفیت کہتے ہیں جو سلطنت روم میں نظر آئی تھی پھر
 کہ مذہب عیسوی نے اس کا علاج کر دیا اور جب کا ہر شخص کو اس وقت
 ہندوستان میں بھی ظہور نظر آتا ہے ممکن ہے کہ یہ وہی سمجھنی کی
 کیفیت ہو جس کو ڈاکٹر ہنٹر نے ہندوستان کے مسلمانوں میں پایا ہے اور وہ غالباً
 مسلمانوں کی اس تازہ سرسبزی کی بنیاد ہے جو مسٹر ڈبلیو جی بالکر
 کے علم و یقین میں تمام اسلام میں جاگزیں ہو رہی ہے یہ بلاشبہ
 اس کے آثار ہندوؤں کے اور متعدد فرقوں میں پائے جاتے ہیں
 جو ایک زیادہ روحانی مذہب کی طرف ترقی کر رہے ہیں جو اقل درجہ
 کے شرک کی معنوی تاویلین کر رہے ہیں اور جو ایک ایسے ذہنی حقیقت
 کی طرف مائل ہیں جس پر ہر سماج کے عقائد کی بنیاد قائم ہے۔ مثال میں اس کا

خمیر مختلف فرقوں میں اوٹھ رہا ہے اور جنوب میں اوسکا اظہار اوس
درخواست میں ہوا ہے جو تعلیم یافتہ ہندوؤں نے اپنے مذہبی اوقات
کی اصلاح کے لیے گورنمنٹ کے پاس بھیجی ہے اگر ہم اس درخواست
کی منظوری کی کوشش کریں گے تو وہ ہکوا اور تیر ہندوؤں کو بہت
دور لیجا دیگی کیونکہ اگر متعدد معبود پرستی کی خرابیوں کے صاف کرنے
اور نظام ہزی پرستش کو ایک مذہب اور معقول طریقہ پر قائم کرنے کے
قرار واقعی کو کوشش کیجاوے تو یہ محال ہے کہ وہ راجین اور اصول
اوسمیں داخل نہ کیے جائیں جس سے کل عمارت کی بنیاد پاش پاش
ہو جائے +

اس طرح سے یہ قیاس کرنے کے سبب اور وجہیں ہیں کہ
مستقل عام امن اور یورپ کی عطا کی ہوئی قوت متحرکہ دونوں ملکہ
ایک ایسے ذہن و عقل کی تیزی کے ساتھ وسعت کا باعث ہونگے کہ ہندو
نہایت تیزی سے اولیٰ صورتوں اور درجوں میں سے ہو کر گذر جائے
جنکے حاصل کرنے میں دیگر اقوام کو اپنی عمر میں منزلیں طے کرنی پڑتی
تھیں۔ ہندو لوگ آجکل اوس سفر کو دو دن میں طے کرتے ہیں جس میں
دس برس ہونے کے عینہ ہر گز تاہا کیونکہ انگریزوں نے اپنی ملین
جاری کر دین قبل اسکے کہ ہندوستانیوں نے پختہ شرک ایجاد

کی تھی۔ اور اسی طرح سے درمیانی ترقیات کو بچھاند کہ ہندوستانیوں
 کی دماغی ترقی ہی نہایت عملیت سے ہو سکتی ہے، اتنا کہ نئے مذہبی
 خیالات ہندوستان میں ہمیشہ پیدا ہوتے رہے اور حفظ امن اور
 بلاخلل انتظام کے منوئے کی وجہ سے ہمیشہ مرجھاتے اور زائل ہوتے
 گئے۔ لیکن ایسے خیالات جو اب آئندہ پیدا ہونگے اونکی پرورش ہوگی
 اور بلا روک ٹوک اشاعت پاویں گے بشرطیکہ اون میں متعل نشوونما کا اصول
 ہو اگر صرف یہی امن باقی رہا تو اغلب ہے کہ ہندوستانیوں کوئی بڑی
 بہاری تحریک ہوگی لیکن اوس تحریک کا رنگ ڈھنگ کیا ہو گا وہ کس
 مرکز کی طرف کشش کریگی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جب کا جواب امتداد
 زمانہ ہی سے دیا جاویگا۔ صلح پسند عیسائی حکومت نے ہندوستانیوں
 اسلام کو ایک موقع دیا ہے کہ وہ پہرانی اصلاح کرے اور اوقفت کو
 پھر جمع کرے جو تمام وکمال اونکو ہماری وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ ہندو
 اسلام کے بحری و بری آمدورفت کے وسائل کو پھر قائم کر دیا ہے کسی
 اون سرحدوں کے توڑنے کا نتیجہ بگلت چکے ہیں جو رنجیت سنگھ اور
 اوسکے سکھوں نے چارہائی مغربی سرحد پر ہندوستان اور باقی
 مغربی ایشیا کے مسلمانوں کے درمیان میں قائم کی تھیں مگر اب ہی
 ممکن ہے کہ ہندوستان کی ذہنی ترقی کی تاریخ میں نیا دور اب

ٹھہر سکتی اور قائم رہ سکتی ہے۔ مذہبی زندگی میں ہی ایسا شایانی
 جامعین اپنی ہستی کی غلبت غائی اور اس کے آرام کا باعث خیال
 کرتے ہیں جبکہ ہندوستان میں نے اپنی عقلی آزادی حاصل
 کر لی تو یہ دیکھتا ہوں کہ وہ اس آزادی کا استعمال کر چکے اور اس
 سوال کا حل پوری سلطنت کے کامیاب انتظام کے لیے ہی
 ضروری ہے۔ جدید خیالات کا تمام میلان تشک اور انکار کی طرف
 ہے۔ ایسی سوسائٹی کے لیے جیسے کہ ہندوستان میں ہے۔ نیز ان کی
 اوس چیز کی جس کو کہ ہم مذہب کہتے ہیں ایک پگھلانے والی قوت
 ہے۔ یہ چرائی بوتلوں میں نئی شراب کا چھوڑنا ہے۔ بجائے لنگر اوٹھانے
 کے لنگر کاٹنا ہے۔ یہاں تک کہ دوسری ضرورت کے وقت ڈالنے کے لیے
 اور لنگر نہیں ہو گئے یہ ضرور ہے کہ فتح اور مذہب لنگر پرانے عقائد
 اور تعصبات کو دور کر دینگے اور جب تک کہ کوئی معظیم جوش اس غالی
 چکے کہ ہر سنے کے لیے مذہب کا تو ہر کو شاید کسی قسم کے روحانی سخت
 کے علوم میں صدر نشینی کرنی ہوگی۔

ایسے تغیر و تبدل کے زمانے گورنمنٹ کو بھلیف رہا کرتے
 ہیں ہندوستان میں لنگر نہ دن کو یہ شکل واقع ہے کہ کوئی مذہبی
 کیوں نہ ہو ہم اوہیں شریک ہونے یا اس کی ہدایت کرنے کی توقع نہ کریں

کر سکتے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم رعایا کے اوس انہو سے جسکا کہ ہم کو
 انتظام کرنا پڑتا ہے اسقدر ہیئت سی باتو نہیں آگے بڑھے ہوئے
 یا اقل درجہ اسقدر فاصلہ یہ ہیں کہ ہماری فوقیت سے عدم ہمدری
 پیدا ہوتی ہے اور اوس رعایا کی رہبری کی خواہش میں ہم صبر و قیاس
 کو دیتے ہیں برعکس اسکے ہندوستان کے باشندو نہیں ابھی سے
 ایک ترقی کر نیوالا فرق پیدا ہو رہا ہے اس گروہ کے لوگ جنگلیان
 و الیہین جذبہ سے آسانی سے بہرے ہوئے ہیں غیر مقبول اعتقاد
 اور نیز اوس مراسم کو جو بادی النظر میں مہل ہیں نفرت کی نظر سے
 دیکھتے ہیں لیکن حسن معاشرت کے علم میں جو ہم یورپین کو تجربہ
 حاصل ہوا ہے اوس سے ایسی پُرانی دنیا کی عمارتوں کے منہدم
 کرنے کی بے عقلی ثابت ہوتی ہے جنگی جگہ پر ابھی تک کوئی اور
 چیز قائم کرنے کے لئے کوئی مستعد نہیں ہوا ہو مثلاً ذات خیر ضروری
 اور بارگرن معلوم ہوتی ہے یورپین اوسکی نسبت سخت دوست
 کہتے ہیں جنگو برہمنوں کے چال چلن کے قواعد بمعنی اور ناقابل عمل
 معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ چیزیں بہت جلد خود منہدم ہو جاویں گے
 بغیر اسکے کہ بذریعہ پیش از وقت قانون کی توضیح کے ہم انکی محراب
 کے بیچ کا پتھر نکال لیں اس میں ہمارا کچھ فائدہ نہیں ہے کہ ہم انکی چیز

ع
 ۱۰۰
 ۱۰۰

ایک دم سے ڈبا دین بلکہ ہمو خود ابھی اوس ظاہری حقارت غالب
 آتا چاہیے جو حسب معمول ایک یورپین کے دل میں اوس سوسائٹیوں
 اور طریقہ خیال کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے جو اوس سے مختلف ہوتی ہیں
 جو اوس کے تجربہ کے احاطہ کے اندر ہوتے ہیں ہمو یہی چاہیے کہ ہم
 نوجوان ہندوستانیوں کے دل میں منہدم کر نیولے جذبہ کو وحدہ سے
 زیادہ نہ بہر دین ہمو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انگریز اور نیز ہندوستانیوں کا
 بالفعل مقدم فرض یہ ہے کہ سوشل سلسلہ قائم رہے ایم پر لائف
 صاحب اپنی کتاب خیالات نسبت تہذیب میں "لیکن ایک کتاب ہے
 وہ عبارت نقل کرتے ہیں جس میں ایک انگریزی پریسٹنٹ پادری نے
 یہ تحریر کیا ہے کہ ملک چین میں انقلابی متواتر زلزلوں کا سلسلہ واقع
 ہو رہا ہے اور وہ پادری صاحب یورپ کو اس بات پر مبالغہ کیا
 دیتے ہیں کہ اوں خوفناک شور شول کی وجہ سے "قدیم زمانہ کے توہا
 اور کثرین اور تعصبات بالکل منہدم ہو رہے ہیں۔ مسیحیوں صاحب
 فرماتے ہیں کہ آندہ ہی اور طوفان ہوا کو صاف کرتے ہیں لیکن مشر
 لائف رقم طراز ہیں کہ اس عبارت کی مراد ایک ایسی سخت شور شول
 کی حالت پر اظہار خوشی ہے جس کا نتیجہ کامل اتری ہے اور اسی
 بل جلدی کی نسبت یہ کہنا کہ وہ شر الطو اسباب ترقی ہیں ناگیا نہ

لے
 ہندو
 شری

عبارت سے خطرناک مشابہت رکھتا ہے گو مصنف کی یہ مراد نہ ہو۔
 طوفان زمین اور ہوا دونوں کو صاف کرتے ہیں اور زلزلے اپنی
 کارروائی میں بہت امتیاز کو کام میں نہیں لاتے بہر حال یہ یقینی
 امر ہے کہ ہندوستانی آب و ہوا میں اخلاقی زلزلے اور طوفان بہار
 سلطنت کی استواری و قیام کو سخت دہکا دینے اور کسی طور پر اپنی
 ترقی دینے میں ہمارا فائدہ نہیں ہے۔ لکچر مذکور صدر میں مسٹر لارڈ
 ترقی اور تہذیب کے اہل غیر محدود خیالات کی نسبت بحث کرتے
 ہیں جن پر وہ لوگ انحصار کرتے ہیں جو ایسی سوسائٹی کو ڈال دینا چاہتے
 ہیں جسکو کہ وہ سمجھ نہیں سکتے یا جنکی کہ اصلی غرض بعض اوقات اس
 زیادہ نہیں ہوتی کہ مغرب کے ذریعے مشرق میں کچھ کا عظیم
 کر دکھادیں۔ صاحب موصوف مثلاً ہندو ہواؤں کے نکاح ثانی پر
 انگریزوں کا اظہار خوشی قابل اعتراض سمجھتے ہیں اونکی یہ رائے ہے
 کہ اس قدیم رسم کی خلاف ورزی کے جواز کے ذریعے سے ہکڑوں
 رسم کے مقابل جنگ کرنا ہرگز ہمارا کام نہ لایہ ممکن ہے کہ مسٹر لارڈ
 خود اس غلطی کے قریب قریب مرتکب ہوئے کہ وہ مشرق کو مغرب سے
 جلاختے ہیں شاید اونکو یہ یاد نہ آ کہ ہندوستانی بہت سی لڑکیاں
 اوس عمر میں بڑھ ہو جاتی ہیں جبکہ وہ یورپ میں بالکل بچہ ہوتی ہیں

(دایمون کے ہاتھ سے نہ نکلی ہوئی ہیں) اس معاملہ میں ہماری اہمیت
 حق بجانب ہے اور اور بہت سی صورتوں میں ہماری قانونی عدالتوں
 کی کارروائی نے اون مراہم کو ہتھواری اور دائمی اجراء بخشا جو قدرتی
 طور پر نہایت پکدار اور بدلنے والی تھیں اور اس طرح انکو حالات کے
 مناسب لازمی ترمیمات اور پوشیدہ صورتوں کی مہر دار کھال پہنچانے
 سے روک دیا یہاں تک کہ خاص قانون بنانے کی ضرورت ہوئی لیکن
 ایسے سوشل قواعد کے مسدود کرنے کے لئے ہمارے قانون نافذ کرتے
 کے خلاف کچھ حجت کیجا سکتی ہے جن قواعد کو ہماری ذات سے قوانین
 اور صریحاً اخلاق کے خلاف نہیں ہیں۔ اور اوں اشخاص کے ساتھ
 بہتر ہونے کے برخلاف ہر ایک بات کہی جا سکتی ہے جو ایک مختلف
 سوشل بناوٹ سے علاقہ رکھنے کی وجہ سے اوں اصولوں کو فوراً
 ترک کر دینے پر مجبور نہیں ہوتے جنہر کہ انکی سوسائٹی کا سماج
 ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ بقراری اوس بے انصافی کے ہمجنس ہے جسکے
 ساتھ (میں) کہ اکثر بیان کیا گیا ہے) ہم گذشتہ زمانے کی نسبت بناؤ
 کرنے کے حد سے زیادہ عادی ہو گئے ہیں کیونکہ ہم یہ بھول جاتے
 ہیں کہ تحریری حالات فی الواقع حکومت کم معلوم ہیں نسبت اوں امور
 کے جو ٹیک ٹیک پیشتر گزر چکے ہیں اور اس سے بھی کم اس بات

کی تشریح کر سکتے ہیں کہ چند صدیوں کے پیشتر لوگ کیسا خیال کرتے
 اور عمل کرتے تھے اور فی الحقیقت یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے
 سے ملک کی حالت اور ترقی کے بغور معائنہ کا موقع نہایت قیمتی ہے
 کیونکہ ہم یہاں خود اوں چیزوں کو سامنے دیکھ سکتے ہیں جو غیبت
 میں دیکھنے سے بمشکل ہماری سمجھ میں آ سکتی ہیں تاہم تاریخ کے وسیع
 راستہ میں گویا پیچھے لوٹتے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے اوں کیفیات
 دیکھ کر جنکو کہ پرانی کتابوں کے ذریعے ناواقفیت اور تعصب کی
 وہ تہذیبی روشنی میں نہ دیکھنے کی اکثر کوشش کی تھی اوں گذشتہ
 زمانوں کی نسبت زیادہ صاف خیالات اور بہرہ روی حاصل کرتے ہیں
 یعنی جس زمانہ میں کہ وہ انسان تھے جنکی کہ ہم اولاد میں جنکے کہ جذبات
 ہمارے ہی سے تھے اور جو عقل میں بھی جیسے کم نہ تھے تاہم وہ اعتقاد
 واثق ایسے رکھتے تھے جنکو کہ اُنکی اولاد نفرت سے رد کرتی ہے اور وہ
 نیک نیتی سے اوں فعلوں کو کرتے تھے جنکا احوال ہم اب خوف اور
 حیرت کی نظر سے پڑتے ہیں۔

ہم انگریزوں کو صرف اتنی بات ضرور ہے کہ امن قائم رکھیں اور
 راستہ صاف کر دیں ہمارا اسوقت فرض یہ ہے کہ ہم اوں تفسیر اور تبدیل
 کے زمانے میں جنکے کہ اب آنے کی توقع ہے ہندوستان میں بطور

پہرے والے کے کھڑے ہون جس طرح سے کہ ہم ایسٹ انڈیا کمپنی کے
 زمانے میں جگنا تہ کے توار کی حفاظت کے لیے سپاہیوں کی کمپنی
 مقرر کرتے تھے بلا دست اندازی کے جگنا تہ کو خود اوس ذہنی
 ترقی کے اوسٹے ہوئے جوار ہٹا پھر چوڑ دینا چاہیے جو کہ خود عایا
 یقیناً کر لیگی اگر وہ صبر اور ثابت قدمی سے ترقی کرتی چلے بلا شبہ
 یہ منفی طریقہ یہ دور کٹا رہنا ایک غیر کامل حالت ہے چنانچہ محفوظ زمین
 ہے کیونکہ ایک نہایت مستند حکیم کی یہ رائے ہے کہ کسی ایسے
 پچھلے طریقہ کو استواری حاصل نہیں ہو سکتی جو محض مادی اغوا اور
 بہبود پر مبنی ہے ابھی ہندوستان میں مذہبی طوفانوں کے خطہ کے
 یا ہر ہمارا جہاز زمین بھلا اور گور و حافی حرارت کا جوش بتدریج کم
 ہو جاتا ہے تاہم یہ ممکن ہے کہ چون چون متعدد معبود پرستی کیلئے
 جاے اور ایک مرکز کی طرف آتی جاے تو توں وہ مذہبی حرارت
 اپنی قوتوں کو اکٹھا کرے اور انکو ترتیب سے ایسے لوگوں میں چھ
 ایک مذہبی قاعدے کے لیے جان دینے کو آج ہی تیار ہیں جیسے
 کہ مذہب ہمارے باپ دادا اکثر نے ایسے جذبات کے مخالف مادے
 یعنی وی خیالات بعض اوقات بہت کم کام آتے ہیں بہر حال
 ایک جبکا و عطا اور جسپر علیدر آمد ہندوستان میں ہم انکو پرکھتے

مذہب
 مذہب اور
 مذہب
 مذہب
 مذہب

ہیں وہ اعلیٰ درجہ کی پولیٹیکل اخلاق کی حدیث ہے ہم ایٹھائی حکمرانوں
میں بالکل نئی چیز اور نئی روشنی ہے اور جو اس یوگ سے ہمارے
انظام کی سربراہ اور وہ علامت ہوئی چاہیے اور جس کے قائم رکھنے
میں ہمارے ارادہ کی نسبت غلط فہمی کا اندیشہ ممکن ہے نیز ہر کو
اوس نیکنامی کے عارضی نقصان کو برداشت کرنا چاہیے جو اوس
زبردست یکان کارروائی سے جو کچھ اوسکی قیمت ہو حاصل ہوئی ہے
جو صرف اسی طرح سے قائم رہ سکتی ہے کہ جو ایک دفعہ غلطی سرزد
ہوئی وہ قائم رکھی جائے اور اوس غیر تربیت یافتہ عام رہائے کے
مقابلہ میں سر جو کایا جائے جو اوس پر آفرین کریگی۔ ہم ہندوؤں کی تہی
براہیت کسی طرح اپنے ذمہ نہیں لے سکتے لیکن اسکے ساتھ ہی پبلک
اخلاق کے امورات میں اوفن سے سبق لینے کو ہم تیار نہیں ہیں
کوئی خاص طریقہ عمل ہندوستان کے رئیسوں یا رعایا کے خیالات
کے موافق ہو لیکن ہمارے گورنر اور خاص حکمران ہندوستانی
سیکنے کی غرض سے نہیں جاتے بلکہ فرائض حکمرانی سکھانے کو اور
یہ نم و حشی جماعتیں جن کے دلون کو تلقین ہونے جاتے ہیں۔

اخیر میں ہم یہ امید کرتے ہیں کہ اوس فرقہ کے تمام فہم
اور دور اندیش ہندوستانی جن کو کہ ہم بڑے بڑے شہروں میں

پولیکل معلومات اور سوشل آزادی میں عجلت سے تعلیم دے رہے ہیں
 یہ سمجھیں گے کہ بالفضل انگلستان کا خاص فرض ہندوستان میں یہ
 کہ وہ تمام اخلاقی اور عقلی پیمانہ کو اس چین کے ساتھ اعلیٰ درجہ تک
 کرنے کی نگراںی کرنے۔ وہ لوگ جو اپنے ملک کے اخلاق کی تبدیلی
 اور علم اور حق کے احاطہ کی توسیع کے شائق ہیں ضرور دیکھیں گے کہ نظام
 کے جزویات پر یا اور معاملات پر یہی جو کانسٹیٹوشنل کمانڈے ہیں
 انگریزی گورنمنٹ سے تلواریز تائیس از وقت اور باعث بریادی
 ہے گذشتہ صدی کے اخیر میں ہندوستان کے معاملات کی
 خاص نازک حالت اور واقعات کی وجہ سے ایک نہایت ہی مضبوط
 گورنمنٹ ویسے ہی اتفاقات کے اجتماع سے پیدا ہو گئی جیسے کہ
 تمام سلطنتوں کے قائم ہونے کی حاجت پر پیدا ہو جاتی ہیں
 زمانہ حال کی سلطنت کے یہ معنی ہیں کہ ایک جماعت ایک نہایت
 قوی رکن کے غیر متنازعہ فیہ اختیار و غلبہ کے ذریعہ سے ترتیب اور
 امن قائم کر کے اور جس ملک میں قائم مقاموں کی جماعتیں (انگریزی)
 خیال کے موافق ناممکن ہیں وہاں ایک وسیع خطہ میں غیر متفق جماعتوں
 کی عام رائے کے اجتماع کا سبب عمدہ آ لہ ایسی سلطنت ہے۔ وہ
 قانون اور حکومت کی پوری پوری اصلاحوں کا نہایت کارگر آ لہ ہے

۱۰
 اس
 قانون

اور وہ نہایت قوی کل ہے جسکے ذریعہ سے ایک لاکھ اعلیٰ درجہ کی
 قوم ایسے جرجون کا انتظام اور انکو ہدایت کر سکتی ہے جو نویست
 یا چلتی ہوئی سوشل ترکیب کے محروم ہیں۔ وہ توڑ دیتی ہے اور نئے
 کوتاہ دلی اور ایک دوسرے کو ناسمجھ کر نیا الی اختلافات جنہوں نے قدیم ہندو کی تہذیب کی ترقی
 روکا اور جو اب تک ہندوستان کے پیر و نین میں مثل رنگ آلودہ تہذیب
 کے پڑنی ہوئی ہیں اگر کبھی شاہی طریقہ سلطنت کسی وقت اور ملک
 کے لیے مناسب اور ضروری تھا تو وہ ملک ہندوستان ہے جیسا کہ
 اس سے ہم آج کے دن دیکھتے ہیں۔

تہامش



Checked
1987



اعلان

بقضائے قانون ستمبر ۱۸۴۷ء

اس کتاب کی خریداری کرائی گئی ہو کوئی ملان

منطاب بغیر اجازت متبرجم کے قصد

طبع نفرمائین *

۱۲۷۲۸	دفتر نمبر
۲۵۲ ج	فن نمبر
	کتاب نمبر